سلسلہ کتب علوم اسلامیہ برائے غیر عربی دان

سلسلۃ تفقیہ طالب علم ونصاب مدارس

الحمد للہ!! پہلی قسط ۵ مجلدات میں

Volume
2/5

اسلامی نظامِ اقتصادیات برائے قدیم وجدید معاملات مالیہ

(قدیم وجدید اصولی فقہی مباحث کا مجموعہ)

Islamic Economic System
to solve the ancient & contemporary affairs

الحقيبة الإقتصادية

نظام الاقتصاد الإسلامي لحل المعاملات المالية القديمة والمعاصرة

اعداد واشراف مجموعہ اسلامی اقتصادیات:

شیخ ارشد بشیر عمری مدنی سلمہ اللہ

Shaikh Arshad Basheer Umari Madani

Hafiz, Aalim, Faazil (Madina University, KSA), MBA.
Founder & Director of AskIslamPedia.com
Chairman: Ocean The ABM School, Hyd.
+91 92906 21633 (whatsapp only)

مجموعہ اسلامی اقتصادیات

1. فقه المعاملات المالية المعاصرة
2. منحة العلام – كتاب البيوع
3. قواعد في البيوع
4. علوم البيوع
5. منظومة القواعد الفقهية

ABM PrintTime

2

عن الكتاب

نام کتاب:	منحة العلام – كتاب البيوع
مؤلف:	عبد الله بن صالح الفوزان
سنِ طباعت:	1427ھ
ناشر:	دار ابن الجوزي
ملک:	المملكة العربية السعودية
اعداد واشراف ومراجعہ:	شیخ ارشد بشیر عمری مدنی سلمہ اللہ
فریق الترجمہ والمراجعہ:	شیخ معاذ عمری وعلماءِ آسک اسلام پیڈیا حفظھم اللہ

(AskIslamPedia.com)

ABM PrintTime

فہرست

بیع کی شروط اور ممنوعہ اقسام کا بیان 7

بیع مبرور (جو خلاف شرع نہ ہو) کی فضیلت 10

ممنوع بیع 15

اگر بائع اور مشتری کے درمیان اختلاف ہو جائے! 23

خبیث کمائی 26

فروخت کرتے وقت مبیع سے فائدہ اٹھانے کی شرط لگانے کا حکم 29

مدبَّر کی بیع کا حکم 38

چوہا اگر گھی میں گر جائے تو کیا کیا جائے؟ 40

کتے اور بلّی کی بیع کا حکم 45

صرف شرعی شروط کا اعتبار ہو گا دیگر شرطیں باطل ہوں گی 47

ام ولد کی بیع کا حکم 53

زائد پانی بیچنے اور نر کی جفتی کی اجرت کے ممانعت کا بیان 57

ممنوع خرید و فروخت کا بیان 60

ولاء کی بیع اور اس کے ہبہ کی ممانعت کا بیان 64

دھوکہ دہی کی بیع ممنوع ہے 65

اشیائے خورد و نوش کی فروخت سے قبل اس پر قبضہ ضروری ہے 68

ABM PrintTime

ایک بیع میں دو قیمتیں لگانے کا حکم!.....72

خرید و فروخت کے کچھ مسائل.....76

بیع عربون کا حکم.....81

سامان پر مکمل قبضہ سے قبل بیچنا منع ہے.....85

سونے کو چاندی کے (بطور کرنسی یا قیمت) بدیل بنانا.....88

بیع نجش کے ممنوع ہونے کا بیان.....91

بعض ممنوع معاملات.....95

باہر سے آنے والے قافلے سے ملنا، اور دیہاتی کے مال کو شہری کا بیچنا منع ہے۔.....101

اپنے بھائی کی بیع پر بیع کرنا یا اس کے سودے پر سودا کرنا منع ہے.....108

خرید و فروخت میں اقارب کے درمیان تفریق کی ممانعت کا بیان.....112

ABM PrintTime

کتاب البیوع

ABM PrintTime

بیع کی شروط اور ممنوعہ اقسام کا بیان

ABM PrintTime

البیوع جمع ہے بیع کی، یہ ایک ہی لفظ قلیل وکثیر دونوں پر دلالت کرتا ہے، لیکن اس کی مختلف انواع کی وجہ سے مصنف نے اس کو بطور جمع لائے ہیں، جس کا ذکر آگے آرہا ہے:

عربی لغت میں البیع کا معنی ہے: کسی چیز کا لینا دینا، اس کا اطلاق کسی شیء کے بیع پر بھی ہوتا ہے جو کہ "خریدنا" کا ضد ہے، اس کا عام اطلاق تو یہی ہے البتہ کبھی شراء پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے، تو بعت کا معنی ہوگا: میں نے خریداری کی۔ یہ لفظ اضداد میں سے ہے([1])۔

البیع کا شرعی معنی: معاوضة عين أو منفعة بمثلهما ولو في الذمة على وجه المشروع.

عين: جیسے گھر، کار، کتاب۔

منفعة: جیسے گھر سے ہوتے ہوئے گذرنا۔

بمثلهما: یعنی جیسے گھر کے بدلے گھر، یا عین جیسے کار کے بدلے میں اس سے ہونے والا نفع، کا منفعت کا منفعت سے سودا، یا منفعت کا عین سے مبادلہ۔

ولو في الذمة: مثلا یہ کہ کتاب اس طرح سے ہے، اور کار کی رنگت، اور دیگر صفات اس طرح کی ہیں، وغیرہ۔

على وجه المشروع: اس قید سے سود کا اخراج مقصود ہے اس لئے کہ اس میں بھی معاوضہ ہے لیکن مشروع طریقے سے نہیں ہے کیونکہ وہ حرام ہے، جس کا ذکر آگے آئے گا ان شاء اللہ۔

"بیع" کتاب وسنت اور اجماع سے ثابت شدہ ہے، اور بالغ نظر سے دیکھیں تو یہی صحیح نظر آتا ہے، اس لئے کہ انسان اپنے دیگر اخوان کے پاس موجود اشیاء کا حاجت مند ہوتا ہے، اور وہ اس کو عادۃ بغیر عوض کے نہیں دیتا ہے۔

مزید یہ بھی کہ معاشی دائرہ کا وسیع ہونا اور عالم انسانیت کا لمبی مدت تک باقی رہنا بھی اس کا تقاضا کرتی ہیں، اس لئے کہ محتاج شخص اپنے علاوہ کہ پاس موجود بہت ساری اشیاء کے حصول کی خاطر اس کی طرف راغب ہوتا ہے، اگر معاملہ کرکے اس کا حصول نہ ہو تو پھر تنازع اور تقاتل کی نوبت آسکتی ہے، یا پھر چوری اور لوٹ مار بھی ہوسکتی ہے۔

[1] - المصباح المنير: ص 69

ABM Print Time

تو یہ شریعت اسلامیہ جو کہ کامل وشامل ہے اس نے اس کی بہترین اور سب سے عمدہ طریقے سے اباحت اوراس کی تنظیم کا پیغام لے کر آئی۔ اس اس معاملہ کی انجام دہی میں سب سے آسان راستہ کی نشاندہی کی، جو راستہ کہ ظلم، شور شرابا، ہنگامہ آرائی سے خالی، اور عداوت اور بغض وحسد سے پاک ہے۔

اور شروط جمع ہے شرط کی، اس کی تعریف "شروط الصلاۃ" کے ضمن میں گذر چکی ہے، بیع سے متعلق کچھ شروط ہیں جس کو فقہاء نے نصوص کو پیش نظر رکھ کر استقرائے تام اور تتبع سے بیان کئے ہیں، اوران شاء اللہ بیوع سے متعلق احادیث کی شرح میں یہ بات واضح کی جائے گی۔

مصنف کا باب میں یہ کہنا: " وما نهي عنه ": اس کا مطلب ہے کہ بیع کی انواع میں سے کون کونسی بیع ممنوع ہیں ان کا بیان۔

ABM PrintTime

بیع مبرور (جو خلاف شرع نہ ہو) کی فضیلت

عَنْ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ رضي الله عنه أَنَّ اَلنَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم سُئِلَ: أَيُّ اَلْكَسْبِ أَطْيَبُ؟ قَالَ: عَمل اَلرَّجلِ بيده, وَكُلُّ بَيْعٍ مبرورٍ. رَوَاهُ اَلْبَزَّارُ، وَصَحَّحَهُ اَلْحَاكِمُ.

رَفَاعَہ بن رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کون سی کمائی سب سے پاکیزہ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " آدمی کی اپنے ہاتھ سے کی ہوئی کمائی اور ہر بیع مبرور"۔ اسے بزار نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔

۱۔ راوی حدیث کا تعارف:

اس بات کا احتمال ہے کہ یہ رفاعہ بن رافع بن مالک الانصاری الخزرجی الزرقی رضی اللہ عنہ ہیں، ان کی والدہ عبد اللہ بن ابی راس المنافقین کی سگی بہن ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بدو راحد سمیت ساری ہی غزوات میں شریک رہے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ ابو بکر صدیق اور عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہما سے بھی روایت حدیث بیان کرتے ہیں، آپ سے آپ کے دونوں بیٹے عبید و معاذ اور دیگر حضرات نے بھی روایت کئے ہیں، معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی امارت کے اوائل میں سنہ ۴۱ھ یا ۴۲ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔([2])۔

اس بات کا بھی احتمال ہے کہ یہ رفاعہ بن رافع بن خدیج ہوں، یہ تابعی ہیں اور اپنے والد رافع سے روایت کرتے ہیں، اور ان سے ان کے فرزند عبایہ روایت کرتے ہیں، ابن حبان رحمہ اللہ نے " الثقات " ان کا ذکر فرمائے ہیں، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ " التقریب " میں انہیں " ثقہ " کہا ہے، ولید بن عبد الملک کی دور ولایت میں آپ کا انتقال ہوا۔([3])۔

۲۔ حدیث کی تخریج:

---

[2] - " الإصابة " 3/281- 283.

[3] - الثقات: 240/4، تهذيب التهذيب: 243/3.

اس حدیث کو امام بزاررحمہ اللہ نے (9/183)، ازطریق اسماعیل بن عمر،انہوں نے کہا:ہمیں خبر دی المسعودی نے،ازوائل بن داود،ازعبید بن رفاعہ،اوروہ اپنے والد رافع رضی اللہ عنہ سے۔اورامام حاکم رحمہ اللہ (۲/۱۰) ازطریق مسعودی،ازوائل،ازعبایہ بن رافع بن خدیج،اوروہ اپنے والد سے روایت کی ہیں۔([4])۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا "البلوغ" میں رفاعہ کا رافع سے روایت کا ذکر کرنا،اس بات کا احتمال ہے کہ وہ رفاعہ بن رافع بن مالک ہیں،ان سے ان کے بیٹے عبید نے روایت کیاہے،اس طرح حدیث متصل ہے مرسل نہیں،اس لئے کہ رفاعہ صحابی ہیں جو کہ گذر چکاہے۔

یہ احتمال بھی ہے کہ وہ رفاعہ بن رافع بن خدیج ہوں،تو یہ حدیث مرسل ہوگی،کیونکہ وہ تابعی ہیں،جس کا ذکر ہوچکاہے،اور حافظ ابن حجر نے "التلخیص"([5]) میں رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی احادیث میں سے بتلائے ہیں،اور مسند بزار کی روایت کو مسعودی کی تخلیط اعتبار کئے ہیں،اس لئے کہ اسماعیل بن عمر نے ان سے اختلاط کے بعد اخذ روایت کئے ہیں۔

اس حدیث کو بیان کرنے میں وائل بن دواد سے اختلاف واقع ہواہے،امام ثوری نے وائل سے،ازطریق سعید بن عمیر،وہ اپنے چچا سے متصلا روایت کئے ہیں جس کو امام حاکم رحمہ اللہ نے اخراج کیاہے۔امام ثوری نے اسی طرح بطریق وائل،از سعید بن عمیر مرسلا ذکر کئے ہیں،اس روایت کو یعقوب بن سفیان نے "المعرفۃ والتاریخ" (3/179-180) میں لائے ہیں،اورآپ کی طریق سے امام بیھقی رحمہ اللہ اپنی کتاب "شعب الایمان" (1171) میں لائے ہیں۔امام ثوری کے علاوہ شریک نے وائل سے ازطریق جمیع بن عمیر اوروہ اپنے مامو ابوبردہ سے روایت کئے ہیں،جس کو امام حاکم(2/10)اورامام بزار(9/259)نے روایت کیاہے،البتہ مسند البزار میں "مامو" کے بجائے "چچا" کا ذکر ہے۔

یہ سند معلول ہے،اور شریک جو کہ شریک بن عبد اللہ القاضی ہیں،آپ سے دوطرح کی چوک ہوئی ہے:

پہلی وجہ: آپ نے جمیع بن عمیر کہاہے،جب کہ وہ سعید بن عمیر ہیں،جیسے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی "التاریخ" میں بتلائے ہیں([6])۔

دوسری وجہ: آپ نے حدیث کو موصول بیان کیاہے،جب کہ آپ کے علاوہ دوسروں نے ازطریق وائل بن داود مرسل بیان کیاہے،اس وضاحت کے ساتھ کہ شریک سے اس روایت میں اختلاف کیا گیاہے۔امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا:اس روایت کو بعضوں نے موصولا بیان

---

[4] - حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کو اپنی کتاب " التلخیص " میں ذکر کئے ہیں،کہ وہ عبایہ بن رافع بن خدیج ہیں،اورامام طبرانی رحمہ اللہ کا "الکبیر" (۴/۲۷۶-۲۷۷) میں کہا گیا قول ہی درست ہے،کہ ازعبایہ بن رافع،اوروہ اپنے دادا سے اوروہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے۔اس طرح امام حاکم رحمہ اللہ کا قول "کہ وہ اپنے والد سے" تخفیف ہے۔اوریوں راوی حدیث رافع بن خدیج عبایہ بن رفاعہ کے دادا ہیں۔

[5] - التلخیص الحبیر: 3/3

[6] - التأریخ الکبیر: 3/501- 502

کیاہے جو کہ خطاہے۔ امام ابن ابوحاتم اس روایت کو مرسلا نقل کرکے کہا: اس روایت کا مرسل ہونا قرین صحت ہے([7])۔ اس روایت کو امام بیھقی نے بطریق محمد بن عبید لائے ہیں، آپ نے کہا: ہمیں وائل بن داود نے بیان کیا، وہ سعید بن عبید سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا:۔۔۔ الحدیث۔ پھر آپ نے فرمایا: یہ حدیث مرسل ہی محفوظ ہے([8])۔

اس سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ کبار محدثین نے اس سند کو معلول قرار دیاہے، اس حدیث کی امام طبرانی([9])۔ رحمہ اللہ کے پاس بطریق ابن عمر رضی اللہ عنہما ایک شاہد بھی ہے، اس روایت سے متعلق ابوحاتم نے کہا: یہ حدیث باطل ہے۔ اور ایک شاہد علی رضی اللہ عنہ سے بھی ہے اس کا درجہ بھی حدیث ابن عمر کا درجہ ہے۔([10])۔

۳۔ الفاظ کی شرح:

أَيُّ الْكَسْبِ أَطْيَبُ؟ الْكَسب: یعنی معیشت اور حصول رزق کی تلاش میں جدوجہد کرنا۔ اور شیبانی نے کہا: الاکتساب: حیات مستعار کی تحلیل کے لئے مال کا حصول ہے۔([11])

أَطْيَب: یعنی حلال اور بابرکت، اس لئے کہ طیب ہی حلال ہے۔([12])۔

عَمَلُ الرَّجُلِ بِيَدِه: حدیث میں "الرجل" کا لفظ اغلبیت کے طور پر ذکر کیا گیاہے، اس لئے کہ مرد ہی پر ہے کہ وہ گھریلو اشیاء، سکن اور دیگر لوازمات زندگی فراہم کرے، اور عورت بھی اس باب میں مرد کی مثیل ہے کہ وہ نازک حالات میں اپنے اور اپنی اولاد پر اس طرح کی ضروریات پوری کرے۔ اور ہاتھ کی کمائی سے مراد جیسے: زرایت، کاریگری، لوہار، کتابت اور اس طرح کی دیگر کام۔

وَكُلُّ بَيْعٍ مَبْرُورٍ: یعنی جس میں تجارت کے سارے ارکان اور کل شروط متوفر ہوں، اور اس سے ہر طرح کی مفسد اور موانع شرعیہ منتفی ہوں، اور جو تجارت کے صدق اور حقیقت بیانی پر قائم ہو، اور ہر طرح کی دھوکہ دہی سے خالی ہو۔

۴۔ حدیث مذکور سے مستفادات:

---

[7] - العلل: 2837

[8] - السنن الكبرى: 263/5

[9] - الأوسط: 82/3

[10] - أنظر: " العلل ": (1168)، (1172).

[11] - الكسب: ص 34

[12] - النهاية: 171/4

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ رزق حلال کی طلب میں کوشاں رہنااللہ تعالی پر توکل کے منافی نہیں ہے،بلکہ یہ فعل ان امور میں سے ہے جو شرعادرست ہیں کہ اسباب اختیار کرنی چاہئے،اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سائل کے سوال بہتر جاناجو کہ بہترین کمائی سے متعلق تھا،اوراس کاجواب ارشاد فرمایااور بہترین مکاسب کی جانب راہنمائی فرمائی۔

اور کمائی کے لئے بھاگ دوڑ کرنا انبیاء علیہم السلام کا طریقہ ہے جن کی اقتداء کا ہمیں حکم دیا گیاہے،اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِه﴾(الأنعام: 90)۔زکریاعلیہ السلام نجار تھے([13])۔اور داود علیہ السلام صرف اپنی ہاتھ کی کمائی سے کھایا کرتے تھے([14])،اورآپ صلی اللہ علیہ وسلم اہل مکہ کے لئے قراریط پر بکریاں چراچکے ہیں([15])،اور خدیجہ رضی اللہ عنہاسے مال لے کر تجارت کیا کرتے تھے([16])۔

۵- صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کا کسب حلال کی حرص رکھنااوران کی علوہمت کہ انہوں نے کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کیا، بس انہوں نے توسب عمدہ کمائی سے متعلق سوال کیا،یہی چیز ہر مسلمان پر واجب ہوتی ہے کہ وہ بیع وشراء کے ذریعے طیب اور حلال مال حاصل کرے اس لئے کہ اسی میں برکت ہے، محض کثرت مال زندگی کا مقصود نہیں ہوناچاہئے اس لئے کہ محض کثرت کانشااس میں کبھی برکت نہیں ہوتی ہے۔

٦- آدمی کا اپنے ہاتھ سے کمانا اصل المکاسب ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ کی کمائی کو بیع مبرور پر مقدم رکھا،اورآپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:«مَا أَكَلَ أَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ خَيْرًا مِنْ أَنْ يَأْكُلَ مِنْ عَمَلِ يَدِه»([17])۔

مکاسب میں افضل کیاہے اس بارے میں اہل علم میں اختلاف پایاجاتاہے،کسی نے زراعت اور کھیتی باڑی کو افضل قرار دیا،کسی نے بیع و شراء کی افضلیت بتلائی ہے،اور کچھ نے صنعت وحرفت کو سب سے اہم قرار دیا،ہر کسی نے اپنی وجہت نظر کا خیال رکھاہے،حدیث مذکور سے جوبات ظاہر ہورہی ہے–واللہ اعلم–یہ سب اشخاص اوراوحوال کے سبب اختلاف واقع ہوا ہے،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : «احْرِصْ عَلَى مَا يَنْفَعُكَ وَاسْتَعِنْ بِاللَّهِ وَلَا تَعْجِزْ»([18])۔

---

[13] - أخرجه مسلم: 2379

[14] - أخرجه البخاري: 2073

[15] - أخرجه البخاري: 2262

[16] - أنظر: " صحيح السيرة النبوية ": 1/164- 321

[17] - صحيح البخاري: كتاب البيوع، باب كسب الرجل وعمله بيده. برقم:

[18] - صحيح مسلم: كتاب القدر، باب في الأمر بالقوة وترك العجز والاستعانة بالله وتفويض المقادير لله. برقم:

شیبانی نے اپنی کتاب "الکسب" میں کہا کہ اس طرح کی تفاضل کی کوئی چنداں ضرورت نہیں ہے، اس لئے کہ معاشرہ ہر طرح کی صنعت وحرفت اور کام کاج کا محتاج ہوتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «الْمُؤْمنُ للْمُؤْمنِ كَالْبُنْيَان يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا»([19])۔

لیکن باب مذکور حدیث سے یہ ثابت ہے اور منصوص ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ کی کمائی کو افضل المکاسب قرار دیا ہے، اور افضل المکاسب جہاد میں کفار سے ملنے والا مال بھی ہے، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کا بھی مکسب رہا ہے، اس لئے کہ یہ اعلائے کلمۃ اللہ کے نتیجہ میں ملتا ہے۔([20])۔

۷- اسلام نے عمل اور کام کرنے کی شان بڑھائی ہے اس کی ترغیب دلائی ہے، اس سے عمال کے لئے اعزاز کی بات ہے، اور طلب رزق میں ان کی جدوجہد اور محنتوں کے چرچے کئے ہیں، اور پھر لوگوں کے احسان تلے جینے اور ان سے مانگ کے نتیجے میں ملنے والی رسوائی بچا کر اکرام اور توقیر کا ذکر ہے۔

---

[19] - متفق عليه: واللفظ لمسلم.

[20] - أنظر: " زاد المعاد ": 5/792- 793

ABM Print Time

ممنوع بیع

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ عَامَ الْفَتْحِ, وَهُوَ بِمَكَّةَ- إِنَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ، وَالْمَيْتَةِ، وَالْخِنْزِيرِ، وَالْأَصْنَامِ. فَقِيلَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَرَأَيْتَ شُحُومَ الْمَيْتَةِ، فَإِنَّهُ تُطْلَى بِهَا السُّفُنُ، وَتُدْهَنُ بِهَا الْجُلُودُ، وَيَسْتَصْبِحُ بِهَا النَّاسُ؟ فَقَالَ: " لَا. هُوَ حَرَامٌ "، ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ ذَلِكَ: " قَاتَلَ اللَّهُ الْيَهُودَ، إِنَّ اللَّهَ لَمَّا حَرَّمَ عَلَيْهِمْ شُحُومَهَا جَمَلُوهُ، ثُمَّ بَاعُوهُ، فَأَكَلُوا ثَمَنَهُ. متَّفَقٌ عَلَيْهِ

جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فتح مکہ کے سال مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ " بلاشبہ اللہ تعالی اوراس کے رسول نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کی بیع کو حرام قرار دیاہے۔" دریافت کیا گیا، اے اللہ کے رسول! مردار کی چربی کا حکم بتلائے؟ کیونکہ اس کے ساتھ کشتیوں کو طلاء کیا جاتاہے اور چمڑوں کو چکنا کیا جاتاہے اور لوگ جلا کر اس سے روشنی حاصل کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" نہیں وہ بھی حرام ہے"۔ پھر اس کے ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" اللہ تعالی یہود کو غارت کرے یقینا اللہ تعالی نے ان پر مردار کی چربی کو بھی حرام کیا تھا لیکن انہوں نے اسے پگھلایا پھر اسے فروخت کیا اور اس کی قیمت کھا گئے۔"

ا۔ حدیث کی تخریج:

اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی " صحیح " میں مختلف مقامات پر لائے ہیں، سب سے پہلے کتاب "البیوع" میں "باب بیع المیتة والأصنام" کے تحت (2236) لائے ہیں۔ اور صحیح مسلم میں بھی (1581) بطریق لیث، وہ یزید بن ابو حبیب سے اور وہ عطا بن ابو رباح سے اور وہ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے۔

اہل علم اس حدیث پر اس ناحیہ سے کلام کئے ہیں کہ یزید بن ابو حبیب کا عطا بن ابو رباح سے سماع ثابت نہیں ہے۔ ابو حاتم الرازی سے اس حدیث سے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے کہا: یزید بن ابو حبیب از عطا بن ابو رباح دراصل وہ محمد بن اسحاق، عن عطاء، عن جابر اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، یزید بن ابی حبیب نے عطا سے کچھ سنا ہو ہمیں اس سے متعلق کوئی خبر نہیں ہے۔"([21])۔

---

[21] - " العلل ": 382/1

لیکن اس بات کی صراحت موجود ہے کہ یزید بن ابی حبیب کو عطابن ابی رباح نے بذریعہ کتابت انہیں اس حدیث کو بیان کیا ہے۔ جیسے کہ مسند احمد کی روایت میں موجود ہے، جو احمد بن حنبل ابو عاصم کی طریق سے، اور وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عبد الحمید نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہمیں یزید بن ابی حبیب نے خبر دی ہے کہ انہیں عطاء بن ابو رباح نے لکھا ہے([22])۔ کہ وہ جابر بن عبد اللہ سے سنا۔۔۔۔ اس سے درمیان موجود واسطے کی نفی ہو جاتی ہے، اور جمہور محدثین کے ہاں بذریعہ کتابت تحمل معتبر طرق میں سے ہے، اسی لئے امام بخاری رحمہ اللہ اس حدیث کو اپنی "صحیح" میں داخل کئے ہیں، اس روایت کو درج کرنے کے بعد مذکورہ مسند احمد کی روایت کو معلق لائے ہیں، اس روایت کو امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی بطریق محمد بن المثنی از ابو عاصم لائے ہیں۔

۲۔ الفاظ کی شرح:

عامَ الْفَتْحِ: یعنی فتح مکہ جو کہ رمضان ۸ ہجری میں واقع ہوا، اس حدیث میں حرمت کی تاریخ بھی معلوم ہوتی ہے، اس بات کا بھی احتمال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی اس کی حرمت بیان کر دی ہو لیکن جن حضرات نے اس حکم سے باخبر نہ تھے ان کے لئے دوبارہ آپ نے ارشاد فرمایا ہو۔

إِنَّ اللَّهَ ورسولَه حرَّم: یہ صحیحین کی روایت ہے جس میں فعل کی اسناد ضمیر واحد کی طرف ہے، قیاسا کہیں تو "حرما" ہونا چاہئے تھا، اور کچھ روایات میں: (إِنَّ اللَّهَ حرَّم) کے الفاظ آئے ہیں۔ البتہ ابن مردویہ اپنی تفسیر میں لیث بن سعد کی طریق سے (إِنَّ اللَّهَ ورسولَه حرَّما) کے الفاظ لائے ہیں۔

اس طرح کی جملوں میں مفرد ضمیر لاناہی زیادہ صحیح ہے، یہ دراصل اس بات کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم اللہ تعالی کے حکم کے تابع ہوتا ہے، جیسے کہ اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ﴾ (الأنعام: 57)۔ اس آیت کی نظیر وہ حدیث ہے جو وحشی گدھے سے متعلق انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «إِنَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يَنْهَيَانِكُمْ»([23])۔ نسائی کی روایت میں «يَنْهَاكُم»([24])۔ ہے۔ یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حذف اور اکتفاء کے باب سے ہو، جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿واللَّهَ ورسولُه أَحقُّ أَنْ يرضَوه﴾ (التوبة: 62)۔

---

[22] - " الإصابة " 3/281- 283.

[23] - متفق عليه.

[24] - سنن النسائي: كتاب الطهارة، باب سؤر الحمار.

اَلْخَمر: ہر وہ مشروب جو انسان کی عقل کو مدہوش کر دے، وہ مشروب کسی بھی شیء سے بنایا گیا ہو جیسے انگور، کھجور، یا جو وغیرہ، وہ پکی ہوئی چیز سے ہو یا نہ ہو، بس نشا آور چیز کا معیار یہ ہے کہ اس سے نشہ آجائے یا عقل جاتی رہے، جس کی تفصیل ان شاء اللہ اس سے متعلق باب میں آئے گی۔

اَلْمَیْتَة: ہر اس جانور کو کہتے ہیں جس کی روح غیر شرعی طریقے سے خارج ہوئی ہو، اور کبھی کسی مرتد کی طرف سے ذبح کیا ہوا جانور کو بھی حکما "مردار" کہہ دیا جاتا ہے۔

اَلْخِنْزِیر: ایک جانور جو کہ اصلا نجس ہے، بری شکل والا، نہایت گندا، جس کی بیشتر غذا غلاظت ہوتی ہے، حتی کہ وہ جیف بھی کھا جاتا ہے، کبھی تو اپنی ہم جنس کا بھی۔

اَلْأَصنَام: صنم -نون متحرک ہے- کی جمع ہے، جو کہ پتھر سے تراشا ہوا انسانی مجسمہ ہوتا ہے، یا پھر کسی بھی شکل کا ہو، اور اَلْوَثَن: ہر وہ شیء جو اللہ کے تعالی کے علاوہ معبود بنادی جائے، جیسے قبر وغیرہ۔ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ صنم کسی شکل اور ہیئت میں ہوتا ہے اور وثن بغیر صورت کے صرف ایک ڈھانچہ ہوتا ہے۔ جوہری نے کہا: صنم ہی وثن ہے۔([25])۔

أَرَأَیت شَحوم اَلْمَیْتَة: یعنی آپ مجھے خبر دیجئے کہ مردار کی چربی فروخت کرنے کا حکم کیا ہے؟ کیا اس کا بیچنا حلال ہے جس میں بہت سارے فوائد ہیں جو اس کی صحت بیع کا تقاضا کرتی ہیں، یا اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ مجھے مردا کی چربی سے انتفاع کا حکم بتلائے؟

فَإِنَّهُ تُطْلَى بِهَا اَلسُّفُنُ: یہ جملہ تعلیلیہ ہے، یعنی چربی کے پگھلا کر اس سے کشتی کو ملتے ہیں تا کہ اس کی تاثیر سے پانی کشتی میں داخل نہ ہو۔ گویا کہ سائل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مردار سے صرف چربی کے جواز سے متعلق خاص سوال کیا کیونکہ اس میں بہت سارے فوائد جڑے ہوئے ہیں۔ جس طرح سے عباس رضی اللہ عنہ نے حرم سے درخت اکھیڑنے سے متعلق منع فرمایا تو آپ سے اذخر کے جواز سے متعلق خصوصی سوال کیا گیا تھا۔

وَتُدْهَنُ بِهَا اَلْجُلُودُ: یعنی چمڑوں کو دباغت دینے کے بعد چربی سے چکنا کیا جاتا ہے تا کہ وہ ملائم ہو جائے۔

وَیَسْتَصْبِحُ بِهَا اَلنَّاسُ؟: یعنی چربی کو پگھلانے کے بعد اس سے چراغاں کیا جاتا ہے۔

فَقَالَ: " لَا: آپ نے اس کی بیع کو حرام قرار دیا، یعنی تم اس کو نہ فروخت کرو اور نہ ہی اس سے فائدہ اٹھاو۔

---

[25] - " الصحاح ": 1969/5، و " تیسیر العزیز الحمید ": ص 117- 200

ABM PrintTime

هو حرام: یہ ایک جملہ ہے جو کہ معلل ہے، یعنی تم اس کو فروخت نہ کو کیونکہ وہ حرام ہے، اس قول کی بنیاد پر کہ ضمیر بیع کی طرف عود کر رہی ہے، یہ امام شافعی رحمہ اللہ کی تشریح ہے، اس قول کو ابن القیم رحمہ اللہ نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ ([26])۔ رحمہ اللہ کا قول قرار دئے ہیں ۔ کیونکہ سائل نے اس کی بیع ہی متعلق سوال کیا تھا۔ اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے مسند احمد کی ایک روایت سے یہ الفاظ: «ما ترى في شحوم الميتة» ([27])۔ نقل کئے ہیں، اور گفتگو بھی چربی کی بیع سے متعلق حکم بیان کرنے کے لئے ہی کی گئی ہے۔ اس لئے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردار کو حرام قرار دیا تو انہوں اس میں سے چربی کے جواز سے متعلق اس میں موجود فوائد کی وجہ سے سوال کیا، اور حدیث مذکور کے آخر میں آپ کا قول بھی ان کے سوال کا باعث ٹھہرا۔

دوسرا قول: قول مذکور میں ضمیر چربی کے انتفاع اور اس سے متعلق پوچھے گئے افعال کی طرف سے لوٹتی ہے۔ جس کے جواب میں آپ نے کہا «هو حرام»۔ آپ نے نہیں «هي» کہا اس لئے کہ سائل نے مذکور میں موجود جمیع اعمال سے متعلق سوال کیا ہے، اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ضمیر اقرب کی طرف عود کرتی ہے، معنی کہ جہت سے بھی یہ بات ہے کہ اشیاء میں اصل اباحت کا ہونا چربی کا اپنی ملکیت میں لینے اور اس کو فروخت کرنے کا ذریعہ ہے۔

اس طرح ضمیر کا چربی کے بیع یا اس سے انتفاع دونوں کی طرف لوٹنے کا احتمال ہے۔ سیاق کے اعتبار سے پہلا قول مترجح ہے، جیسے کہ گذر چکا ہے۔

قَاتَل اَللَّه اَلْيهود: یعنی اللہ تعالی انہیں ہلاک کر دے، اس لئے کہ اللہ تعالی جس سے قتال کرے اس کو ہلاک ہونا ہی ہے، یہ ان کے حق میں ہلاک ہونے کی بد دعاء ہے، اس کا ایک معنی یہ بھی لیا گیا ہے: ان پر اللہ تعالی کی لعنت ہو اور وہ اللہ تعالی کی رحمت سے دور ہو جائیں، مفسرین نے سورہ توبہ کی اس آیت کی تفسیر میں بیان کئے ہیں، اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿قَاتَلَهم اللَّه أَنَّى يؤْفَكُون﴾(التوبة: 30)([28])۔ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ میں یہ مروی ہے کہ آپ نے کہا: عمر رضی اللہ عنہ کو یہ خبر پہنچی کہ سمرہ نے شراب فروخت کیا ہے تو آپ

---

[26] - زاد المعاد: 749/5

[27] - " فتح الباري " : 425/4، اسی سند سے اس روایت کو آپ نے بیان کیا ہے، پھر میں مسند احمد کی طرف رجوع کیا" المسند " :377/22- 378 تو اس حدیث کو میں اسی سند سے پالیا البتہ اس میں " بیع " والا لفظ نہیں تھا۔

[28] - فتح القدير: 353/2

نے کہا: اللہ تعالی سمرہ کو ہلاک کرے، کیا وہ نہیں جانتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «لَعَنَ اللَّهُ الْيَهُودَ حُرِّمَتْ عَلَيْهِمُ الشُّحُومُ فَجَمَلُوهَا فَبَاعُوهَا»([29])۔

جَمَلُوہ: جیم پر زبر اور میم مخفف ہے، یعنی اس کو پگھلانا یہاں تک کہ وہ چپکنے کے قابل ہو جائے، اس کے نتیجے میں "چربی" کا نام اس سے جاتا رہے گا، یہ دراصل حرام شدہ شیء کے استعمال کے لئے ایک حیلہ ہے کہ شربی ان پر حرام ہے لیکن اس کو انہوں نے بیچ کر اس کی قیمت کھانے لگے، اس لئے کہ چربی کو پگھلانے کے بعد اہل عرب کی عرف میں اس پر "چربی" کا اطلاق نہیں ہوتا ہے، بلکہ وہ اس کو "ودک" کا نام دیتے تھے، آپ علیہ الصلاۃ والسلام کے قول «فَجَمَلُوه» میں ضمیر "شحم" کی طرف عود کر رہی ہے جو وہ اپنی تاویل کر کے مذکورہ لفظ کی طرف کر دیتے تھے۔

تیسری بات: حدیث مبارکہ شراب کی حرمت بیع پر دلالت کرتی ہے، شراب پینے، اس میں کام کرنے ہر طرح سے کیونکہ اس میں موجود مفاسد کی وجہ سے تاکہ عقل ضائع نہ ہو جائے، اور جمہور کے قول کے مطابق اس میں موجود نجاست کی وجہ سے بھی، جس کی تفصیل "کتاب الطہارۃ" میں گذر چکی ہے۔

شراب کئی طرح کی کیمیائی اشیاء سے جڑی ہوئی ہے، اس میں سے سب اہم وہ مادہ ہے جسے "الغول الایتیلی" کہتے ہیں، یہ وہ سبب ہے جو شراب کی ہر طرح کی اقسام میں مضر ثابت ہوتی ہے، یہ مادہ دیگر مشروبات میں بھی کسی میں کم کسی میں زیادہ ہوتی ہے، اس سے بدن کے اکثر حصے متاثر ہوتے ہیں، پہلے دماغ، پھر بدن کے دیگر اعضا، یہ سب جدید سائنسی تحقیق کا نتیجہ ہیں۔([30])۔

شراب کی اقسام میں وہ ساری سیال اور جامد اشیاء داخل ہو جاتی ہیں جو نشہ آور ہیں، چاہے وہ انگور یا کھجور ہو یا کہ جو یا پھر کسی بھی شیء سے بنی ہوئی ہو جو دور حاضر کی پیداوار ہیں۔ اسی طرح حشیش، قات یا بیڑی اور سگریٹ وغیرہ یہ سب خبیث چیزیں ہیں ان کی بیع اور آپسی لین دین حرام ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا: «كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ»([31])۔ صحت بیع کی شروط میں یہ بھی ہے کہ وہ اصلا مباح ہو جب کہ یہ غیر مباح ہے۔

---

[29] - متفق عليه.

[30] - " مع الطب في القرآن الكريم ": ص 140

[31] - أخرجه مسلم: كتاب الأشربة، باب بيان أن كل مسكر خمر وأن كل خمر حرام. برقم: 2003، وسيأتي شرحه في موضعه إن شاء الله

چوتھی بات: یہ حدیث خنزیر اس کے گوشت، اس کی چربی، اس کی جلد اور اس کی ساری اشیاء کا خرید وفروخت حرام ہے، اس لئے کہ وہ اصلا ہی نجس ہے، اس میں کئی بڑے بڑے نقصانات بھی ہیں، سائنس نے یہ ثابت کیا ہے کہ خنزیر انسان میں ۲۷ بیماریاں منتقل کرتا ہے، اس میں سے کچھ یہ ہیں: جگر کا تلف ہو جانا، ہاضمہ دشوار ہو جائے گا، بانجھ پن بھی ہو سکتا ہے اور ہوا جمنے کی تھیلیاں بھی جمع ہو سکتی ہیں،۔۔ ۔ بعض محققین نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ خنزیر کا گوشت کھانے کی وجہ سے اس کی عفت، عزت اور اس کی اس غیرت پر برے اثرات واقع ہوتے ہیں([32])۔ اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿قُلْ لَا أَجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَى طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خِنْزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ﴾(الأنعام: 145)۔ اور "الرجس" ہر گندی چیز کو کہتے ہیں، ضمیر مذکر لائی گئی ہے، اس پر فاء داخل کیا گیا اور "إنَّ" لانے میں تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ اس کی حرمت کی اسباب دیکھ کر انسانی نفس منزجر ہو جائے اس لئے کہ خنزیر نجس اشیاء اور پاخانہ کھاتا ہے، اس کو حرام قرار دینے میں یہ علت ہے کہ اس میں خبث اور گندگی ہے، البتہ آیت کریمہ میں اس کے گوشت کی تخصیص اس لئے کہ عادۃ کھانے میں گوشت ہی مقصود ہوتا ہے۔

پانچویں بات: مردار کی بیع اس کے کل اجزاء سمیت حرام ہے، یہ حدیث مبارکہ اس حدیث کی تخصیص کرتی ہے: «إِنَّمَا حَرُمَ أَكْلُهَا»([33])۔ اس کا مفہوم مخالف اس بات پر دلالت کرتا ہے اس کے کھانے کے علاوہ بقیہ حلال ہے، اس سے مچھلی اور ٹڈا بحیثیت مردار ہونے کے مستثنی ہیں، اور وہ چیزیں جس میں کوئی زندگی ہی نہیں ہوتی جیسے بال، اون، وبر اور پر وغیرہ، اس لئے کہ خباثت اس سے جڑی نہیں ہے، اس پر مردار والی بات صادق بھی نہیں آتی، یہ جمہور کا قول ہے([34])۔ امام شافعی رحمہ اللہ اس کی نجاست کے قائل ہونے میں منفرد ہیں، اس لئے کہ اس پر بھی مردار ہونے کا اطلاق ہوتا ہے۔

اب رہا مسئلہ چمڑے کے حکم کا تو اس سے متعلق کتاب الطہارہ میں برتنوں کی بابت مسئلہ میں بیان کیا جا چکا ہے، مراد کی چربی سے انتفاع کے شرعی حکم سے متعلق اہل علم نے اختلاف کیا ہے، اس اختلاف کی اصل وجہ ضمیر کا اس قول «هو حرام» میں عود کرنا ہے، کہ یہ بیع سے متعلق ہے یا انتفاع سے متعلق؟

---

[32] - راجع كتاب " الخنزير بين ميزان الشرع ومنظار العلم " : للدكتور أحمد جواد.

[33] - أخرجه البخاري: 5531، ومسلم: 363، وقد تقدم في كتاب الطهارة.

[34] - زاد المعاد: 753/5

پہلا قول: مردار کی چربی سے انتفاع جائز نہیں ہے، اس قول کو امام نووی نے جمہور([35])۔ کی طرف نسبت دی ہے، ان کا کہنا ہے کہ ضمیر انتفاع کی طرف عود کر رہی ہے اس لئے کہ وہ ضمیر سے اقرب ہے، اس لئے بھی کہ انتفاع کی اباحت اس کے محفوظ کرنے اور اس کی بیع کا ذریعہ ہوتا ہے، شیخ ابن باز رحمہ اللہ نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔

دوسرا قول: مردار کی چربی کا کھانا حرام ہے البتہ انتفاع جائز ہے، جیسے چربی سے کشتی کو ملنا جائز ہے، اس سے روشنی حاصل کرنا وغیرہ جائز ہے، امام شافعی کا یہی قول ہے، امام احمد سے ایک قول یہ بھی منقول ہے، ابن تیمیہ اور آپ کے شاگرد ابن القیم([36])۔ نے اسی کو اختیار کیا ہے، آپ حضرات کا مستدل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے: «إِنَّمَا حَرُمَ مِنَ الْمَيْتَةِ أَكْلُهَا»([37])۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے صحابہ کو دیار ثمود کے کنووں سے پانی لینے پر منع فرمایا، البتہ آپ نے جانوروں کو وہ کھلانے کی اجازت دی جس کو انہوں نے اسی پانی سے تعجین کئے تھے۔([38])۔

یہ نہایت قوی قول ہے، اس لئے کہ چربی سے انتفاع جو کہ کھانے کے علاوہ ہو وہ محض ایسا انتفاع ہے جس میں کوئی مفسد نہیں ہے، ایسے میں بیع کے علاوہ انتفاع جائز ہے، ابن القیم رحمہ اللہ نے کہا کہ بیع سے انتفاع کا دائرہ کافی وسیع ہے۔ ہر وہ چیز جس کی بیع حرام ہو اس سے انتفاع بھی حرام ایسا نہیں ہے، دونوں میں کوئی لزوم نہیں، یوں بیع کی تحریم سے انتفاع کی تحریم اخذ کرنا صحیح نہیں ہے۔([39])۔

چھٹویں بات: بتوں کی حرمت بیع کی ہے، اس لئے کہ یہ ادیان کو فاسد کرتی ہے اور فتنوں اور شرک کو جنم دیتی ہے، اس کے توڑ دینے کے بعد اس کی بیع کو کچھ علماء نے جائز قرار دیا ہے، اور کچھ نے منع کیا ہے۔ جنہوں نے اس کو منع کیا ہے وہ الفاظ کے ظاہر اور اس کے اطلاق کو سامنے رکھ کر کیا ہے، اور جنہوں نے اجازت دی ہے وہ اس کے انتفاع کو پیش نظر رکھ کر دئے ہیں۔ حدیث میں وارد لفظ کی تاویل یہ کی گئی ہے کہ بتوں پر موجود چمک دمک سے فائدہ نہ اٹھایا جائے۔ اصنام میں لیڈروں کے مجسمے بھی داخل ہیں میدانوں اور عام چوراہوں پر

---

[35] - شرح صحيح مسلم: 9/11

[36] - مجموع الفتاوى: 21/511، 83. و " زاد المعاد ": 749/5

[37] - سنن الدارقطني.

[38] - صحيح البخاري: 3378، وصحيح مسلم: 2981، من حديث عبد الله بن عمر رضي الله عنهما.

[39] - " زاد المعاد ": 761/5

نصب کئے گئے ہیں، اس میں فتنہ اور غلو کے عناصر ہیں جو کہ شرک تک کھینچ لے جاتے ہیں، اس میں صلیب بھی داخل ہے جو کہ نصاری کا شعار ہے، اور وہ سارے کتبے جس میں شرکیہ اور غیر اللہ کی عبادت سے متعلق الفاظ ہوں، یہ سب امور ابن القیم نے ذکر کئے ہیں۔([40])۔

ساتویں بات: حیلے بہانے کی حرمت، اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا اور اس کے فاعل پر لعنت بھیجی ہے، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «**لا ترتكبوا ما ارتكبت اليهود، فتستحلوا محارم الله بأدنى الحيل**»([41])۔

آٹھویں بات: اللہ تعالی کی حرام کردہ چیزوں کو استعمال کرنے میں حیلے بہانے کرنا اللہ تعالی کی غضب اور اس کی لعنت کو دعوت دینا ہے، اس لئے کہ حیلے کرنا والا نافرمان، معاند اور اللہ تعالی کو دھوکہ دینے والا ہے اس عمل میں وہ یہود جو کہ مغضوب علیہ ہیں ان کے مشابہ ہے، اور جو جس کی مشابہت اختیار کرتا ہے وہ انہیں میں سے ہے، ہمارے اس دور میں حیلے بہت زیادہ کئے جاتے ہیں خاص کر بیع وشراء میں۔ یہ سب اللہ تعالی پر ایمان میں کمزوری، اللہ تعالی سے خوف کی کمی اور احکام شرعیہ کی خفت کا نتیجہ ہے، اور لوگ دنیا اور اس کی رنگینیوں کے فتنے میں مبتلا ہیں۔

نویں بات: اللہ تعالی نے جس چیز کو حرام قرار دیا ہے اس کی قیمت کی حرمت کی وجہ سے اس کی بیع بھی حرام ہے، اس پر حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما دلالت کرتی ہے: «**وَإِنَّ اللَّهَ إِذَا حَرَّمَ عَلَى قَوْمٍ أَكْلَ شَيْءٍ حَرَّمَ عَلَيْهِمْ ثَمَنَهُ**»([42])۔ واللہ اعلم۔

---

[40] - " زاد المعاد ": 761/5

[41] - أخرجه ابن بطة في " الحيل " ص 112، قال شيخ الإسلام ابن تيمية في " إقامة الدليل ": هذا إسناد جيد، يصحح مثله الترمذي وغيره تارة، ويحسنه تارة. أنظر: " الفتاوى الكبرى ": 123/3، وجوده ابن كثير في " تفسيره ": 492/3، وحسنه ابن القيم في " تهذيبه ": 103/5، وفي " الإغاثة ": 348/1.

[42] - سنن أبي داؤد: كتاب البيوع، باب في ثمن الخمر والميتة.

ABM PrintTime

اگر بائع اور مشتری کے درمیان اختلاف ہو جائے!

وعَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ رضي الله عنه قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اَللَّهِ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ: إِذَا اخْتَلَفَ اَلْمُتَبَايِعَانِ لَيْسَ بَيْنَهُمَا بَيِّنَةٌ، فَالْقَوْلُ مَا يَقُولُ رَبُّ اَلسِّلْعَةِ أَوْ يَتَتَارَكَانِ. رواه اَلْخَمْسَةُ، وَصَحَّحَهُ اَلْحَاكِمُ.

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: "جب خرید و فروخت کرنے والوں کے درمیان اختلاف ہو جائے اور ان کے پاس ثبوت بھی نہ ہو تو سودے کے مالک کی بات قابل ترجیح ہو گی یا پھر وہ بیع چھوڑ دیں گے۔"

ا۔ حدیث کی تخریج:

اس حدیث کو ابو داود رحمہ اللہ نے کتاب "البیوع" میں اس باب "إذا اختلف البيعان والمبيع قائم" (3511) کے تحت لائے ہیں، اور امام نسائی (7/303،302)، امام حاکم (2/45) اور بیہقی (5/332) نے از طریق عبد الرحمن بن قیس بن محمد بن الاشعث اپنے والد سے اور وہ عبد الرحمن کے دادا محمد سے روایت کرتے ہیں کہ اشعث نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بیس ہزار میں کچھ غلام خریدے جو کہ خمس کے تھے۔ عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے قیمت لینے کے لئے آدمی بھیجا، تو اس نے کہا کہ میں نے انہیں دس ہزار میں لیا ہے۔ عبد للہ رضی اللہ عنہ نے کہا: کسی آدمی کو منتخب کر لو جو ہم میں فیصلہ کر دے۔ اشعث رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ خود ہی میرے اور اپنے درمیان فیصلہ کر دیں۔ تو عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ فرماتے تھے:۔۔۔۔ اس طرح پوری حدیث ذکر فرمائی۔ حدیث کا یہ سیاق ابو داود کا ہے اور امام نسائی نے صرف مرفوعا لانے پر اکتفا کئے ہیں۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے کہا: یہ اسناد موصولا حسن ہے، اور مختلف طرق سے مرسلا بھی آئی ہے، سارے طرق کے مجتمع ہونے سے حدیث قوی ہو جاتی ہے، آپ کے استاد امام حاکم رحمہ اللہ نے کہا: صحیح الاسناد، اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے سکوت اختیار کیا ہے۔

حدیث مذکور کی امام حاکم کی طرف سے تصحیح محل نظر ہے، کیونکہ ابن القطان نے اس حدیث کو عبد الرحمن، ان کے والد اور دادا سبھوں کی جہالت کی وجہ سے اپنی کتاب "بيان الوهم والإيهام" میں معلول قرار دیا ہے، اور حافظ ابن حجر نے "التلخيص" ([43])۔ میں ان سے نقل کئے ہیں۔

[43] - بيان الوهم والإيهام: 3/525- 526، " التلخيص ": 3/36، وانظر: " إرواء الغليل ": 5/166، والسلسلة الصحيحة: 798

ABM Print Time

اورامام ترمذی(1270)اوراحمد(444/7)نے ازطریق ابن عجلان انہوں نے کہا:ہمیں بیان عبداللہ بن عون نے،اوروہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاروایت کرتے ہیں۔

یہ سند منقطع ہے،اس لئے کہ عون بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود نے عبداللہ بن مسعود کو نہیں پایاہے،امام دار قطنی رحمہ اللہ نے عون بن عبداللہ کی عبداللہ بن مسعود سے روایت کو مرسل کہاہے([44])۔اور محمد بن عجلان:صدوق ہیں،حسن الحدیث ہیں۔

اس حدیث کو امام ابوداود(3512)،ابن ماجہ(2186)اورامام احمد(445/7)نے ابن ابی لیلی کی طریق سے روایت کئے ہیں،وہ قاسم بن عبدالرحمن سے وہ اپنے والد سے وہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہ انہوں نے اشعث کو کچھ غلام بیچے۔۔۔۔۔الحدیث۔

یہ سند محمد بن عبدالرحمن بن ابی لیلی کے ضعف کی وجہ سے ضعیف ہے۔اس لئے کہ وہ سیء الحفظ ہیں اور سند و متن میں بکثرت خطا کرنے والے ہیں،اوراس حدیث کو روایت کرنے میں وہ ایک جماعت سے اختلاف بھی کئے ہیں،جس میں انہوں نے روایت میں کہا کہ "ان کے والد سے "جب کہ صحیح یہ ہے کہ قاسم بن عبدالرحمن روایت کرتے ہیں ابن مسعود سے۔اس روایت کو نقل کرنے کے بعد امام ترمذی رحمہ اللہ تعلیقا کہا:یہ روایت قاسم اوران کے دادا ابن مسعود کے مابین کسی راوی کے نہ ہونے کی وجہ سے منقطع ہے،کیونکہ وہ ابن مسعود کو نہیں پائے۔

ابن ابی لیلی کا حدیث کو موصول بیان کرنے میں عمر بن قیس الماصر نے متابعت کی ہے،وہ قاسم بن عبدالرحمن سے اوروہ اپنے والد سے۔اس روایت کو ابن الجارود نے روایت کیاہے۔عمر بن قیس ثقہ ہیں،امام مسلم رحمہ اللہ نے آپ سے روایت لائے ہیں،حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے "التقریب" میں:صدوق ربما وھم کہاہے۔

اورامام نسائی(303/7)واحمد(440/7)رحمہا اللہ اس روایت کو ازطریق ابوعبیدہ بن عبداللہ بن مسعود،اوروہ اپنے والد سے اسی طرح کی روایت کئے ہیں،لیکن یہ بھی منقطع ہے،اس لئے کہ ابوعبیدہ اپنے والد کو نہیں پائے ہیں،لیکن یہ روایت موصول کے حکم میں ہی ہے،اس لئے کہ ابوعبیدہ اپنے والد کی روایات اوران کے فتاوے کا بہت زیادہ اہتمام کیا کرتے تھے،ان کے پاس ان کے والد سے متعلق جو معلومات تھیں وہ کسی اور کے پاس نہیں تھیں۔([45])۔

---

[44] - الثقات: 240/4، تهذيب التهذيب: 243/3.

[45] - أنظر: " فتاوى ابن تيمية ": 404/6، " تهذيب مختصر السنن " : 350/6، " شرح العلل " لابن رجب: 298/1، " تهذيب التهذيب " : 66/5

یہ سب اس حدیث کے طرق ہیں جو اصحاب السنن اور مسند احمد میں موجود ہیں لیکن آپ نے اس موجود کلام بھی ملاحظہ کر چکے ہیں۔ اس کے باوجود امام بیھقی رحمہ اللہ نے کہا: ان سارے ہی طرق کو جمع کر دیا جائے تو یہ حدیث قوی ہو جائے گی، اور ابن عبد الہادی رحمہ اللہ نے کہا: جو چیز ظاہر ہے وہ یہ کہ ان سارے ہی طرق جمع کرنے سے حدیث ابن مسعود کی اصل معلوم ہوتی ہے، بلکہ وہ حسن درجہ کی حدیث ہے جس سے استدلال کیا جا سکتا ہے، لیکن اس کے الفاظ میں اختلاف ہے۔([46])۔

دوسری بات: حدیث مذکور اس بارے میں دلیل ہے کہ اگر بائع اور خریدار کے مابین اختلاف ہو جائے اور ان میں سے کسی کے پاس بھی کوئی دلیل نہیں ہے تو بائع کی بات اصل مانی جائے گی۔ اختلاف کی جو صورت متصور ہوتی ہے، ایک یہ کہ قیمت کتنی طے کی گئی اس پر اختلاف ہو سکتا ہے۔ جیسے بائع یہ کہے کہ میں اس چیز کو ۱۰۰ ریال میں بیچا ہے، اور خریدار کہے کہ نہیں ۸۰ ریال میں بات ہوئی ہے۔ لیکن دلیل کسی کے پاس نہیں، ایسی صورت میں بائع کی بات مانی جائے گی، اس لئے کہ سامان کا مالک وہی ہے۔ یا وہ دونوں بیع کو فسخ کر دے اس لئے کہ ان دونوں کے اختلاف سامان کی قیمت طے کرنے سے مانع ہے، گویا وہ ایسی بیع ہے جس کی قیمت طے شدہ نہیں ہے۔

حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ یہ اس بات پر دلیل ہے کہ بیع میں قول فیصل بائع کا قول ہے اس میں اس کے لئے حلف کی گنجائش نہیں ہے، یہ امام شعبی رحمہ اللہ کا قول ہے، ابن قدامہ ([47])۔ نے کہا کہ ابن المنذر نے اس قول امام احمد کا قول قرار دیا ہے، یہ اس لئے کہ سامان بائع کا ہے، اور اصل یہی ہے کہ اس کی ملکیت اسی کے ہاں باقی رہے گی اور یہ بھی ہے اصلا قیمت ادا کرنے میں مشتری بری الذمہ ہے، تو معاملہ جوں کا توں اصل پر باقی رہے گا کہ سامان بائع کی ملکیت میں رہے گا وہ سامان اس کی رضا ہی سے لیا جا سکتا ہے۔

دوسرا قول: وہ دونوں قسم کھائیں گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «الْبَيِّنَةَ عَلَى الْمُدَّعِي وَالْيَمِينَ عَلَى مَنْ أَنْكَرَ»([48])۔ ان دونوں میں سے ہر ایک مدعی بھی ہے اور انکاری بھی ہیں، بائع کا دعوی یہ ہے کہ اس نے قیمت ۱۰۰ ہے اور ۸۰ سے متعلق انکاری ہے، اس کے برعکس خریدار ۸۰ کا مدعی ہے اور ۱۰۰ کا انکاری۔ اس طرح تحالف پر فیصلہ کرنا ایک اور دلیل سے مستفاد ہے۔ امام ابو حنیفہ، شافعی اور ایک روایت کے مطابق امام مالک کا یہی موقف ہے، امام احمد سے متعلق بھی یہی مشہور ہے۔([49])۔

---

[46] - " التنقيح ": 561/2، وانظر: " شرح علل الترمذي ": 23/1

[47] - المغني: 279/6

[48] - أخرجه البيهقي: 252/10، بإسناد صحيح على ما قاله الحافظ، وسيأتي – إن شاء الله – الكلام عليه في موضعه.

[49] - المغني: 278/6، " الإنصاف ": 445/4

پہلا قول ہی راجح ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اسی کو اختیار کیا ہے، اس لئے کہ اگر وہ حدیث حسن درجہ کی ہو تو پھر اس کا ظاہر یہی ہے۔ بصورت دیگر بائع دھوکے میں رہے گا کیونکہ سامان پر اس کی اجارہ داری ہے اس کی رضا کے بغیر کوئی سامان نہیں لے جاسکتا ہے۔ رہا مسئلہ خریدار کا تو وہ قبول کرلے یا پھر بیع فسخ کردے، تحالف کی کوئی حاجت ہی نہیں([50])۔ واللہ تعالی اعلم۔

خبیث کمائی

وَعَنْ أَبِي مَسْعُودٍ رضي الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم نَهَى عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ، وَمَهْرِ الْبَغِيِّ، وَحُلْوَانِ الْكَاهِنِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت، بدکار عورت کی کمائی اور کاہن کی شرینی سے منع فرمایا ہے۔ بخاری و مسلم

۱۔ حدیث کی تخریج:

اس حدیث کو امام بخاری نے اپنی صحیح کی کتاب "البیوع" باب "ثمن الكلب" (2237) کے تحت لائے ہیں، اور امام مسلم (1567) از طریق مالک، وہ ابن شہاب الزہری سے، وہ ابو بکر بن عبد الرحمن سے اور وہ ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

۲۔ الفاظ کی شرح:

نَهَى: شریعت میں اس کا معنی ہوتا ہے کہ ایسا قول جو کسی کام کے چھوڑنے پر بزور طلب کیا جائے۔ شریعت میں کسی چیز کا منع تحریم کا متقاضی ہے سوائے کسی دلیل کے جو حرام سے مانع ہو۔ لیکن یہ فساد کا متقاضی ہے اس طرح ان اشیاء کا بیچنا حرام ہے اور یہ عقد فاسد ہے۔

ثَمَنِ الْكَلْبِ: "ال" استغراق کے لئے ہے اس لئے سارے کلاب اس میں داخل ہیں، ٹریننگ دیا گیا ہو یا نہ ہو، پالتو ہو یا نہ ہو۔

مَهْرِ الْبَغِيِّ: " الْبَغِيِّ "باء کے زبر اور غین کے زیر سے پھر یا مشدد ہے۔ یہ بروزن فعول ہے لیکن فاعلہ کے معنی میں ہے، یہ ایسے اوصاف میں سے ہے جس میں مذکر و مونث دونوں داخل ہیں۔ جیسے رکوب اور حلوب لفظ ہیں۔ الْبغا کے معنی طلب کے ہیں، اس کا اکثر استعمال عورتوں پر ہوتا ہے، اہل عرب کہتے ہیں: بغت المرأة إذا زنت، تبغي بغاء. فهي بغيٌّ، وهن بغايا.

---

[50] - أنظر: " نظرية العقد ": لابن تيمية ص: 166- 167، " الشرح الممتع ": 357/8

اس کا مہر کا مطلب ہے اس کی کمائی جو زنا پر بطور اجرت ملتی ہے، اس اجرت کو کمائی کہنے کی وجہ اس باب میں توسع بتلانا مقصود ہے۔ یا پھر چونکہ اس کی ظاہری شکل مہر جیسی ہے۔

حُلْوَانِ الْكَاهِنِ: "حلْوان "حاء پر پیش ہے، اور یہ مصدر ہے۔ جب آپ کسی کو کچھ عطیہ کریں، اس کو کچھ شرینی دیں مطلب یہ کہ اس کو آپ رشوت دیں۔ عربی لغت میں اس کا اصل معنی ہے: کچھ عطیہ کرنا، رشوت دینا۔ یہاں مراد اس کاہن کی کہانت پر حاصل ہونے والی آمدنی ہے۔ اس کو شرینی سے تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ کاہن کو یہ آمدنی بغیر کسی مشقت کے بآسانی حاصل ہو جاتی ہے۔

الْكَاهِن: کہتے ہیں وہ شخص جو مستقبل سے متعلق خبر دیتا ہے۔

تیسری بات: حدیث مبارکہ کتے کی بیع اور اس کی قیمت کھانے کی حرمت پر دلیل ہے، اہل علم نے اس کی بابت اختلاف کئے ہیں، اور اس بارے اہل علم کی تین رائے ہیں:

پہلا قول: جمہور جن میں مشہور قول کے مطابق امام مالک، شافعی اور احمد ہیں جو اس بیع کو مطلقا حرام قرار دیتے ہیں۔ شکاری کتے اور عام میں ان کے ہاں کوئی فرق نہیں ہے، اور پالتو کتے سے متعلق بھی کوئی فرق نہیں ہے جو کہ شرعا جائز ہے جیسے زراعت پر مامور، ریوڑ کی نگرانی وغیرہ اور وہ کتے جو عام ہیں جو کہ جائز نہیں ہیں۔([51])۔

آپ حضرات کا مستدل حدیث مذکور کے عموم سے ہے، کیونکہ نہی میں اصل تحریم ہے۔ اس طرح کتے کی قیمت کا حرام ہونا اس کی بیع کے حرام ہونے کو لازم ہے۔

دوسرا قول: ہر طرح کے کتے کی بیع جائز ہے۔ یہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی رائے ہے، البتہ آپ نے عقور کتے کو اس سے مستثنی رکھا ہے کہ اس کی بیع جائز نہیں ہے۔ جائز تو صرف شکاری کتا اور ہر وہ کتا جس میں منفعت وابستہ ہے([52])۔، آپ کی دلیل یہ ہے:

۱۔ حدیث جابر رضی اللہ عنہ، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوائے شکاری کتے کے علاوہ دیگر کتوں اور بلی کی قیمت لینے سے منع فرمایا ہے۔([53])۔

۲۔ ان کتوں سے انتفاع مباح ہے، اس میں وراثت، وصیت، اور ہبہ سب درست بھی ہے، خچر اور گدھے کی طرح اس کی بیع بھی صحیح ہے۔

---

[51] - أنظر: " الخرشي على مختصر خليل ": 16/5، " المجموع ": 272/9، " شرح الزركشي ": 670/3

[52] - " بدائع الصنائع ": 142/5

[53] - أخرجه النسائي: وسيأتي الكلام عليه قريبا في موضعه.

تیسرا قول: اس کی بیع جائز نہیں ہے، لیکن اس کے تلف کرنے کی قیمت واجب ہو جاتی ہے، یہ امام مالک رحمہ اللہ کا قول ہے۔ آپ سے اس کی بیع کے جواز اور عدم جواز دونوں ثابت ہے۔ آپ کے پاس اس کے تلف کی قیمت واجب الاداء نہیں ہے۔ امام نووی نے اس کو نقل کئے ہیں۔([54])۔ ابن عبد البر رحمہ اللہ نے کہا: پہلی بات – جو کہ اس کی بیع کی حرمت سے متعلق ہے – مذہب مالکی کا تحصیل حاصل ہے۔ اور یہی راجح ہے ان شاء اللہ۔([55])۔

پہلا قول ہی قوت دلیل کی وجہ سے راجح ہے۔ اس لئے کہ حدیث تحریم پر واضح نص ہے۔ اس میں استثناء والی کوئی بات ہی نہیں ہے تو اس میں عموم ہی کو لیا جائے گا۔

رہا حدیث جابر رضی اللہ عنہ کا جس میں شکاری کتے کو مستثنیٰ کیا گیا ہے تو وہ ضعیف حدیث ہے جس کی تفصیل آگے آئے گی ان شاء اللہ۔

رہا انتفاع کا مباح ہونا اس کے بیع کو لازم نہیں ہے اس لئے کہ بیع سے کہیں زیادہ انتفاع کا دائرہ وسیع ہے۔ جو چیز شرعاً خرید و فروخت حرام ہو اس سے انتفاع بھی حرام ایسا نہیں ہے۔ اس کی بابت گفتگو ہو چکی ہے۔

رہی بات خچر اور گدھے پر قیاس کی – تو ابن القیم رحمہ اللہ کے قول کے مطابق – یہ نہایت فاسد قیاس ہے۔ اس لئے کہ کتے کا خنزیر پر قیاس کرنا بنسبت خچر اور گدھے پر قیاس کرنے سے کہیں زیادہ صحیح ہے اس لئے کہ کتا اپنے حکم میں خنزیر سے قریب تر ہے([56])۔ بس وضع الید کی بات ہے جس کی شریعت نے اس میں موجود فوائد کی وجہ سے جائز قرار دی ہے، البتہ اس کی بیع مستثنیٰ ہے، اور اس سے منع کیا گیا ہے۔

چوتھی بات: حدیث مبارکہ سے عورت کے بدکار ہونے اور اس کی قیمت لینے کی تحریم معلوم ہوتی ہے، عورت چاہے آزاد ہو یا لونڈی ہو، یہ حرام مال ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے زنا کو حرام قرار دیا ہے اور یہ مال اسی کا نتیجہ ہے، اس عورت کے لئے نہ اس سے کھانا حلال ہے اور نہ ہی انتفاع جائز ہے۔ ابن القیم رحمہ اللہ کی رائے میں اس مال کو صدقہ کر دینا چاہئے([57])۔ اگر یہ کہے: اس مال سے وہ اپنا چھٹکارا کر لے تو زیادہ بہتر ہے زانی کو ناسونپے۔ اس لئے کہ اس نے عوض کے مقابل اپنے اختیار سے اس کو رد کیا ہے اور صاحب العوض کا دوبارہ حاصل کرنا ناممکن ہے۔ یہ ایک خبیث کمائی ہے اور اس لئے بھی کہ اگر وہ اس رد کرنے والے کو دوبارہ دے گا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس جرم کے مرتکب کو ہمت دلا رہا ہے کہ وہ اس کو جاری رکھے۔ اور پھر اس مال کو لوٹانے کے باوجود اصل غرض حاصل ہو کر رہے گا۔

---

[54] - شرح صحيح مسلم: 492/9

[55] - الكافي: 675/2

[56] - زاد المعاد: 772/5

[57] - زاد المعاد: 779/5

پانچویں بات: کہانت اوراس کی کمائی کا حرام ہوناہے۔ اس لئے کہ وہ باطل مال ہے اور کہانت حرام ہے۔ جواپنے آپ حرام ہے اس کا عوض بھی حرام ہے، اس میں کہانت کو بڑھاوادینا بھی ہے۔

اس میں یہ بھی داخل ہے کہ انجم شناس، شعبدہ بازاور دیگر اس طرح کے تماشائی کے پاس جانا بھی حرام ہے، شعبدہ بازلوگوں اور جادوگروں کے کرتب کودیکھنے کے لئے پیسہ خرچ کرنا جائز نہیں ہے اس لئے کہ اس سے ان کے عمل سوء کو تسلسل دینے کے لئے معاون بننالازم آئے گا۔ امراء پر ضروری ہے کہ اس پر روک لگائیں۔ علامہ ماوردی رحمہ اللہ نے کہا: کہانت اور لہوولعب کی کمائی سے محتسب کوروک لگاناچاہئے اور لینے دینے والے دونوں کی تادیبی کاروائی ہونی چاہئے۔([58])۔ واللہ تعالی أعلم

فروخت کرتے وقت مبیع سے فائدہ اٹھانے کی شرط لگانے کا حکم

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اَللَّهِ رضي اَللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ كَانَ [يسير] عَلَى جَمَلٍ لَهُ أَعْيَا. فَأَرَادَ أَنْ يسيبه. قَالَ: فَلَحِقَنِي اَلنَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فَدَعَا لِي، وَضَرَبَهُ، فَسَارَ سَيْرًا لَمْ يَسِرْ مِثْلَهُ، قَالَ: " بِعْنِيه بِوُقِيَّةٍ " قُلْتُ: لَا. ثُمَّ قَالَ: " بِعْنِيه " فَبِعْتُهُ بِوُقِيَّةٍ، وَاشْتَرَطْتُ حُمْلَانَهُ إِلَى أَهْلِي، فَلَمَّا بَلَغْتُ أَتَيْتُهُ بِالْجَمَلِ، فَنَقَدَنِي ثَمَنَهُ، ثُمَّ رَجَعْتُ فَأَرْسَلَ فِي أَثَرِي. فَقَالَ: " أَتُرَانِي مَاكَسْتُكَ لِآخُذَ جَمَلَكَ؟ خُذْ جَمَلَكَ وَدَرَاهِمَكَ. فَهُوَ لَكَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَهَذَا اَلسِّيَاقُ لِمُسْلِمٍ.

جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ اپنے ایک تھکے ہوئے اونٹ پر سفر کررہے تھے، انہوں نے اسے چھوڑنے کاارادہ کیا، وہ بیان کرتے ہیں کہ اتنے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ملے اور میرے لئے دعافرمائی اورراونٹ کومارا تو وہ اس قدر تیز چلا کہ اس قدر تیز پہلے کبھی نہیں چلاتھا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ اونٹ ایک اوقیہ (چالیس درہم) کے بدلے مجھے فروخت کردو۔ میں نے کہا: نہیں۔ پھر دوبارہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ مجھے فروخت کردو۔ تو میں نے ایک اوقیہ کے عوض وہ آپ کو فروخت کردیا اوراپنے گھر تک اس پر سواری کی شرط لگالی۔ پس جب میں پہنچ گیاتو میں اونٹ لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیاتو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس کی نقد قیمت ادا کردی، پھر میں واپس لوٹ گیاتو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے پیچھے اونٹ کو بھی بھیج دیااور فرمایا

[58] - " الأحكام السلطانية " ص 321

کہ "کیاتم خیال کرتے ہو کہ میں نے تمہاراونٹ لینے کے لئے تمہیں قیمت کم دی ہے؟اپنے اونٹ اور درہم دونوں رکھ لو یہ تمہارے لئے ہے۔بخاری و مسلم، یہ سیاق مسلم میں ہے۔

ا۔ حدیث کی تخریج:

اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے تقریبا بیس مقامات پر لائے ہیں، کہیں موصول تو کہیں معلق، کہیں مطول تو کہیں مختصر([59])۔یہ اس حدیث مبارکہ سے کثرت فوائد پر دلیل ہے۔امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ ایک عظیم حدیث ہے، اس سے کئی فقہی ابواب قائم کئے جاسکتے ہیں([60])۔امام بخاری رحمہ اللہ سب سے پہلے "كتاب الصلاة" میں باب "الصلاة إذا قدم من سفر" (443) کے تحت لائے ہیں۔جس میں آپ نے از طریق مسعر مختصر الائے ہں۔وہ کہتے ہیں: ہمیں محارب بن دثار نے بیان کیا، وہ از جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں، پھر اس حدیث کو آپ کتاب "البیوع" میں وغیرہ میں بھی لائے ہیں۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی اپنی "صحیح" میں کئی مقامات پر لائے ہیں ان میں سے ایک کتاب "المساقاة،باب بيع البعير واستثناء ركوبه". (109) میں از طریق زکریا، از عمار، اور وہ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے حدیث بیان کرتے ہیں، صحیح مسلم کے سیاق اور انہیں الفاظ کو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ بلوغ المرام میں لائے ہیں۔امام مسلم رحمہ اللہ کی "صحیح" میں ایک اور طریق بھی ہے، اس میں موجود لفظ پر ان شاء اللہ کلام ہو گا، اسی طرح کچھ اور روایات بھی ذکر کئے جائیں گے جن سے بیع سے متعلق بہت سارے احکام مربوط ہیں۔

۲۔ الفاظ کی شرح:

أَنَّه كَانَ [يسير] عَلَى جَمَلٍ: اس حدیث میں چلنے کی جہت نہیں بتلائی گئی ہے، صحیحین کی ایک روایت میں ہے: «كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزَاةٍ» صحیح مسلم میں ہے: «أَقْبَلْنَا مِنْ مَكَّةَ إِلَى الْمَدِينَةِ» اور ابو عوانہ کے ہاں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے: «فَأَعْطَانِي ثَمَنَ الْجَمَلِ وَالْجَمَلَ وَسَهْمِي مَعَ الْقَوْمِ»([61])۔اس سے معلوم ہوا کہ یہ سفر ایک غزوہ سے متعلق تھا، غزوہ سے متعلق تبوک اور ذات الرقاع دونوں باتیں کہی گئیں ہیں، ذات الرقاع ہی زیادہ راجح ہے جس کو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ابن اسحاق اور واقدی کے حوالہ سے نقل کر کے اختیار کئے ہیں۔اور حافظ نے کہا: سیرت نگار سیرت کے باب میں دیگر سے زیادہ باریک بیں ہیں۔ حدیث میں مذکور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جابر رضی اللہ عنہ سے یہ سوال «هَل تَزَوَّجتَ» کرنا بھی اس کی تائید کرتی ہے۔جابر رضی

---

[59] - أنظر: فتح الباري: 537/1

[60] - المفهم: 501/4

[61] - یہ الفاظ خود صحیح بخاری میں موجود ہیں، ابو عوانہ کا کتابی نسخہ موجود نہیں ہے، البتہ مکتبہ شاملہ سے نہیں مل سکے ہیں۔مترجم

اللہ عنہ نے جواب میں ہاں کہا تھا۔ اور اسی حدیث میں ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے بیوہ خاتون سے شادی کرنے کی وجہ یہ بتلائی تھی کہ ان کی چھوٹی چھوٹی بہنیں ہیں۔ تو ان پر ایک بڑی عورت ہیں بہتر نگران ہو سکتی ہے، اور ذات الرقاع صحیح قول کے مطابق غزوہء احد کے ٹھیک ایک سال بعد واقع ہوئی ہے۔ اور غزوہء احد میں آپ کے والد عبد اللہ بن حرام رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تھے۔ جب کہ غزوہء تبوک اس کے سات سال بعد واقع ہوئی۔ واللہ اعلم

أَعيا: الإعياء کہتے ہیں چلنے سے عاجز ہو جانا، تھک جانا۔ یعنی تھکان کی وجہ سے جیش کے ساتھ چلنے میں پیچھے رہ جانا۔ عربی میں کہا جاتا ہے: أعيا الرجل أو البعير: یعنی جب وہ چلنے سے عاجز ہو جائے اور بوجھ محسوس کرے۔ لازم و متعدی دونوں سے آتا ہے، اس طرح کہہ سکتے ہیں: أعيا الرجل، وأعياه الله.

أَنْ يُسَيِّبَهُ: عدم دلچسپی کی وجہ سے چھوڑ دینا کہ وہ جہاں چاہے جائے۔ اس سے زمانہء جاہلیت میں معبودان باطلہ کے نام پر چھوڑی ہوئی اونٹنی مراد نہیں ہے کہ جس پر کوئی سواری نہیں کر سکتا، جس کو "سائبہ" کہا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ اسلام میں حرام ہے اور جابر رضی اللہ عنہ نے ایسا نہیں کیا۔

فَلَحِقَنِي النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیش کے آخری پرے تھے تا کہ فوج کے ساتھ چلنے میں پیچھے رہ جانے والے عاجز حضرات اور فوج سے منقطع ہونے والے افراد کو ساتھ لیں۔

فَدَعَا لِي، وضربه: ان الفاظ سے مستفاد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا جابر رضی اللہ عنہ کے حق میں تھی۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: فضربه برجله ودعا له جس سے مستفاد یہ ہوتا ہے کہ دعا اونٹ کے لئے تھی۔ دونوں روایتوں کو جمع کرنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ دعا جابر رضی اللہ عنہ اور آپ کے اونٹ دونوں کے لئے کی گئی تھی۔

بِوُقِيَّةٍ: ہمزہ کے حذف سے، جب کہ یہ اصل میں أوقية ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ صحیح لغت ہے، اور أوقية بھی کہا جاتا ہے اور یہی مشہور بھی ہے([62])۔ علامہ عینی کہتے ہیں: یہ عمدہ لغت تو نہیں ہے([63])۔

الأوقية: یہ وزن معلوم کرنے کا ایک معیار ہے جس کی جمع: أواقٍّ ہے، اس شرعا مقدار بتلانے میں موزون اور شہروں کی بنیاد پر اختلاف ہے۔ اس دور میں اس کی قیمت چالیس درہم تھی۔ کچھ روایات میں آیا ہے کہ وہ وہ اوقیہ سونے کے تھے، ایک روایت میں چار دینار کا ذکر ہے۔ یہ روایت اس روایت کی ضد نہیں ہے اس لئے کہ چالیس اوقیہ دینار کے حساب سے دس درہم کے برابر ہیں۔

---

[62] - شرح صحيح مسلم: 34/11، وتهذيب الأسماء واللغات: 195/4

[63] - عمدة القاري: 41/4

امام بخاری رحمہ اللہ نے اونٹ کی قیمت متعین ہونے میں مختلف روایات لائے ہیں، پھر آپ نے کہا:"وقول الشعبي بوقية أكثر"([64]) ۔یعنی امام شعبی رحمہ اللہ کا قول اوقیہ سے متعلق دیگر اقول کی بنسبت زیادہ صحت کے زیادہ موافق ہے، اوراونٹ کی قیمت سے متعلق اختلاف اپنا کوئی اثر نہیں رکھتاہے اس لئے کہ اصل مسئلہ جو کہ بیع ہے وہ ثابت ہے۔

قُلْت: لَا: یعنی میں اسے فروخت نہیں کروں گا۔ابن التین رحمہ اللہ کہتے ہیں: جابر رضی اللہ عنہ کا جواب میں "نہیں کہنا" محفوظ نہیں ہے، ہاں آپ کا یہ ارادہ ہو کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کو بغیر قیمت ہی کے دوں گا۔علامہ عینی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ابن التین رحمہ اللہ نے جابر رضی اللہ عنہ کی شخصیت کا دفاع کرتے ہوئے یہ کہا کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نفی میں جواب دیا([65])۔ کیونکہ جابر رضی اللہ عنہ سے ایسی توقع نہیں ہے۔ لیکن یہ لفظ "صحیحین" میں موجود ہے اوراس کے ثابت ہونے کے بعد پھر کسی قول کی گنجائش نہیں ہے۔اس کی نفی بیع کی نفی کولازم ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کی نفی نہیں اس لئے کہ جابر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو توہبہ کرنے کا ارادہ رکھتے تھے، جس کا ذکر صحیحین کی ایک روایت میں موجود ہے«بل هو لَكَ يا رسولَ الله»([66])۔مسند احمد کی ایک روایت میں ہے: «أَتَبِيعُنِي جَمَلَكَ هَذَا يا جَابِرُ؟» جابر رضی اللہ عنہ نے کہا: بلکہ وہ آپ کے لئے ہبہ ہے اے اللہ کے رسول۔تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «لاَ، وَلَكِنْ بِعْنِيهِ» نہیں آپ میرے لئے فروخت کرو۔

حُمْلَانَه: حاء پر پیش ہے اور میم ساکن۔مصدر ہے اور فاعل کی طرف مضاف ہے، مفعول محذوف ہے۔یعنی اس کا مجھے مدینہ تک کا اٹھالے جانا۔ایک روایت میں یہ لفظ ہیں: وَاسْتَثْنَيْتُ عَلَيْهِ حُمْلَانَهُ إِلَى أَهْلِي([67])۔

إِلَى أَهْلِي: یعنی مدینہ مراد ہے، اس کی دلیل صحیحین میں موجود روایت کے یہ الفاظ ہیں: حَتَّى بَلَغَ الْمَدِينَةَ۔

فَلَمَّا بَلَغْتُ: جب میں اس اونٹ کے ذریعے مدینہ میں داخل ہوا، یہ مفہوم بھی اوپر گذر چکی روایت: أَقْبَلْنَا مِنْ مَكَّةَ إِلَى الْمَدِينَةِ سے لیا گیا ہے۔

أَتَيْتُهُ بِالْجَمَلِ: ایک روایت میں اس طرح ہے: میں مسجد کے پاس آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں مسجد کے دروازے کے پاس پایا، آپ نے پوچھا: الآنَ قَدِمْتَ میں نے کہا: ہاں۔

---

[64] - فتح الباري: 314/5

[65] - عمدة القاري: 216/11

[66] - البخاري: 2309، ومسلم: 111

[67] - صحيح مسلم. مولف نے جو الفاظ نقل کئے ہیں اس تک پہنچ نہیں ہو سکی ہے۔مترجم

فَنَقَدَنِي ثَمَنَهُ: ابن الاثیر الجزری رحمہ اللہ کہتے ہیں: نقدته كذا، أي: أعطيته نقدا معجلا.([68])۔یعنی میں نے اس کو نقد معجل دیا۔ صحیح بخاری و مسلم کی ایک روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ قیمت ادا کرنے والے بلال رضی اللہ عنہ تھے۔ کچھ روایات میں یہ ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال رضی اللہ عنہ سے کہا: انہیں سونے کے اوقیہ دے دو اور کچھ زائد بھی۔ تو انہوں نے مجھے اوقیہ اور زائد قیراط دئے۔

فَأَرسل فِي أَثَرِي: دونوں زبر کے ساتھ، یا ہمزہ کے زیر اور "ث" ساکن۔ یعنی میرے پیچھے ہی اقرب وقت میں۔ جس کا معنی یہ ہے کہ: آپ نے کسی کو میری طلب اور مجھے آپ کے پاس لے جانے کے لئے بھیجا۔ ایک روایت میں یہ ہے: فَانْطَلَقْتُ حَتَّى وَلَّيْت۔ تو آپ نے کہا: جابر کو بلاو۔ تو میں نے کہا: اب اونٹ میرے ہی پاس لوٹ آئے گا، اب اس سے زیادہ کوئی اور شیء میرے نزدیک مبغوض نہیں تھی۔ آپ نے کہا اونٹ لو اور اس کی قیمت بھی آپ کے لئے([69])۔۔ جابر رضی اللہ عنہ اس بات سے کراہ رہے تھے کہ یہ اونٹ انہیں کو دے دیا جائے اور آپ کے علم میں یہ بات تھی کہ اس قیمت سے وہ اس سے بھی بہتر اونٹ خرید سکتے ہیں اور کچھ قیمت آپ کے پاس باقی بھی رہ سکتی ہے([70])۔

أَتُرَانِي: تاء پر پیش۔ یعنی کیا تم نے یہ گمان کر لیا تھا کہ میں نے آپ نے اس لئے بات کی ہے کہ اس سے اونٹ کی قیمت میں کمی ہو جائے۔ یہاں استفہام انکار کے لئے ہے۔

ماكَستُكَ: یہ المماكسة سے ہے، جس کے معنی ہیں قیمت میں کمی کا مطالبہ کرنا۔ اس لفظ کے اصل معنی نقص کے ہیں، اسی سے مکس الظالم ہے۔ کیونکہ وہ لوگوں کا مال لے کر اس میں نقص پیدا کر دیتے ہیں۔ فقہاء نے کہا: ماكس فلان في البيع ومكس. جس کا معنی ہے قیمت میں کمی کا مطالبہ کرنا۔

خذْ جَمَلَكَ وَدَرَاهِمَكَ: یہ اعزاز و تکریم کا نہایت عمدہ انداز ہے، اس لئے کہ جو شخص کوئی بھی شیء فروخت کرتا ہے تو اس کی قیمت کا ضرورت مند رہتا ہے۔ اگر اس کا معاوضہ مل جائے تو سامان کی جدائی داغ دے جاتی ہے اس کا درد باقی رہ جاتا ہے جیسے کہ شاعر نے کہا:

وقد تخرج الحاجات يا أم مالك نفائس من رب بهن ضنين

---

[68] - النهاية: 103/5

[69] - صحيح البخاري: 2097

[70] - فتح الباري: 317/5

اس طرح اگر کی قیمت سمیت سامان بھی واپس مالک کو دے دیا جائے تو اس سے غم جاتا رہتا ہے، اس کی خوشی جوں کی توں باقی رہے گی، اس کی حاجت پوری ہو جاتی ہے، ان سب کے ساتھ اس کی قیمت میں اضافی قیمت بھی اس میں ضم ہو جا رہی ہے۔

تیسری بات: حدیث مبارکہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قائد اور قوم کے امیر کے حق میں افضل یہی ہے کہ وہ جیش کے آخر میں ہو تا کہ ان سے کٹ کر دور ہوئے اور کسی مجبوری سے عاجز ہو کر پیچھے رہ جانے والوں کو اپنے ساتھ لے چلے۔ جابر رضی اللہ عنہ کے اس قول: فَلَحِقَنِي النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم سے یہ بات معلوم ہوتی ہے۔

چوتھی بات: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے امت کے تئیں رحمت ورافت کا ذکر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جابر رضی اللہ عنہ اور ان کے اونٹ کو اسی حالت میں چھوڑ نہیں گئے بلکہ ان کے لئے بطریق دعا مدد فرمائی اور اونٹ کو ایسی مار ماری جس کی قوت سے وہ -بإذن الله- چلنے لگا۔

پانچویں بات: اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ کا بیان بھی ہے کہ آپ نے اونٹ کو مارا جس سے وہ ایسے چلا جو کبھی اس سے قبل نہیں چل پایا تھا اور قافلہ سے جا جڑا۔ صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: كيف ترى بعيرك؟ اب تم اپنے اونٹ کو کیسے محسوس کر رہے ہو؟ میں نے کہا: خیر ہے، قد أصابته بركتك. اس کو آپ کو برکت نے ٹھیک کر دیا ہے۔([71])۔

چھٹویں بات: خرید و فروخت میں عقد ثابت ہونے سے قبل اصل قیمت میں کمی کرائی جا سکتی ہے۔

ساتویں بات: اہل علم کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ بائع کا فروخت کردہ چیز سے معلوم مدت تک نفع اندوز ہونا جائز ہے یا نہیں؟ جیسے کہ جانور پر ایک مقام تک سواری کرنا، یا گھر میں ایک مقررہ وقت تک سکونت اختیار کرنا اس طرح کے دیگر صورتیں ہیں۔ اس بارے میں اہل علم کے تین موقف ہیں:

پہلا قول: نہ عقد صحیح ہے اور نہ ہی شرط۔ اس لئے کہ یہ شرط عقد کے منافی ہے، یہ ایسا ہی جیسے کوئی خریدار کو سامان ہی نہ دے کہ بائع یہ شرط لگا دے کہ وہ فروخت کردہ چیز سے نفع اندوز ہو کر ہی اس کو تاخیر سے دے گا۔ یہ موقف جمہور کا ہے، ان میں سے ائمہء ثلاثہ ابو حنیفہ، مالک، شافعی بھی ہیں۔ البتہ امام مالک رحمہ اللہ نے جانور پر سواری کی مختصر مدت تک کی اجازت دی ہیں، جیسے تین دن، شاید آپ نے حدیث مذکور سے اخذ کئے ہیں۔ جس میں جابر رضی اللہ عنہ سے ہوئے عقد اور مدینہ تک وصول ہونے کی معلولی مدت ہے۔([72])۔

---

[71] - صحيح البخاري: 2967

[72] - بداية المجتهد: 309/3

جمہور اپنے اس موقف کے لئے دو دلیلوں سے استدلال کئے ہیں:

ا۔ حدیث جابر رضی اللہ عنہ جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "الثنیا"([73])۔ سے روکا ہے۔ اس لفظ کا معنی ہے: کسی چیز کو بیچ کر اس کے کچھ حصے کو مستثنی قرار دینا۔

۲۔ حدیث عمرو بن شعیب وہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع اور اسی کے ساتھ شرط کو منع فرمایا ہے۔ اس حدیث کی تخریج آگے آئی گی ان شاء اللہ۔

جمہور نے حدیث الباب یعنی حدیث جابر کے کچھ جوابات دئے ہیں:

ا۔ یہاں خرید و فروخت حقیقی نہیں تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بس جابر رضی اللہ عنہ کو بطور ہبہ نفع پہنچانا چاہتے تھے۔ اونٹ کی قیمت کو ہبہ کے لئے ایک ذریعہ بنایا گیا اس کی دلیل یہ ہے کہ: أَتُرَانِي مَاكَسْتُكَ لآخُذَ جَمَلَكَ؟۔

ب۔ حدیث بیانی میں راویوں کے اختلاف کی وجہ سے مطلوبہ شیء پر استدلال نہیں کیا جاسکتا ہے، اس لئے کہ کچھ الفاظ اس طرح ہیں: بعته واشترطت حملانه. ایک روایت میں یہ لفظ ہے: أن النبي صلى الله عليه وسلم أعاره ظهره إلى المدينة. آخر الذکر لفظ عدم شرط پر دلالت کر رہا ہے۔

دوسرا قول: شرط جائز ہے البتہ صرف ایک شرط ہی رہے گی۔ یہ امام اوزاعی اور امام احمد کا قول ہے جس کی اسحاق بن راہویہ اور ابن المنذر نے موافقت کی ہے۔ اگر دو شرطیں جمع ہو جائیں تو بیع باطل ہے([74])۔ ان کا مستدل حدیث عمرو بن شعیب ہے جو ابھی اوپر بیان کی گئی ہے: « لاَ يَحِلُّ سَلَفٌ وَبَيْعٌ وَلاَ شَرْطَانِ فِى بَيْعٍ وَلاَ رِبْحُ مَا لَمْ تَضْمَنْ وَلاَ بَيْعُ مَا لَيْسَ عِنْدَكَ»([75])۔

تیسرا قول: بیع میں ہر طرح کی شرط جائز ہے جو بائع یا مشتری دونوں میں سے کسی کے لئے بھی معلوم فائدے مضمر ہوں۔ یہ امام احمد سے منقول ایک قول ہے اسی کو شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور آپ کے شاگرد ابن القیم اسی طرح شیخ عبد الرحمن السعدی([76])۔ رحمہم اللہ نے بھی اختیار کیا ہے۔ ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:

---

[73] - أخرجه مسلم من حديث جابر رضي الله عنه (1536)، (85).

[74] - " المغني ": 321/6

[75] - سنن أبي داؤد: كتاب البيوع، باب في الرجل يبيع ما ليس عنده.

[76] - الاختيارات: ص 123، تهذيب مختصر السنن: 146/5، المختارات الجلية: ص 72- 73

۱۔ پہلی دلیل تو یہی حدیث جابر رضی اللہ عنہ ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جابر رضی اللہ عنہ کا اونٹ سے نفع اندوز ہونے کی شرط کو قبول فرمایا۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: باب إذا اشترط البائع ظهر الدابة إلى مكان مسمى جاز. پھر اس حدیث جابر کو آپ لائے ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اسی طرح آپ نے ترجمہ الباب میں آپ کے پاس موجود دلیل صحیح کی بنیاد پر جزم سے حکم لگائے ہیں([77])۔

۲۔ حدیث کثیر بن عبد اللہ بن عمرو بن عوف المزنی، وہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «الْمُسْلِمُونَ عَلَى شُرُوطِهِمْ إِلاَّ شَرْطًا أَحَلَّ حَرَامًا أَوْ حَرَّمَ حَلاَلاً» اس پر عنقریب کلام کیا جائے گا ان شاء اللہ۔ یہی قول قوی دلیل کی وجہ سے راجح قول ہے اس لئے بھی کہ ان شروط میں کسی طرح کا کوئی ظلم، ضرر، دھوکہ اور سود نہیں ہے۔ تو یہ عقد کیسے حرام ہو سکتا ہے۔ چونکہ یہ خود مفسد نہیں تو کسی شیء کے لئے مفسد وسیلہ بھی نہیں ہو سکتا۔

رہی وہ حدیث جس میں "الثنیا" سے منع کیا گیا ہے تو وہ حدیث مانعین کی نہیں مجیزین کی دلیل ہے اس لئے کہ اس حدیث کا تتمہ سنن اربعہ سوائے ابن ماجہ کے ساری کتابوں میں موجود ہے جس میں ہے کہ:" نهى عن الثنيا إلا أن تعلم " اس طرح جب بیع میں مستثنیٰ معلوم ہے تو عدم الجہالہ کی وجہ سے بیع صحیح ہے، اس پر مزید گفتگو آگے ہو گی ان شاء اللہ۔

رہی وہ حدیث جس میں بیع اور شرط کے ایک ساتھ جمع کرنے سے روکا گیا ہے، اس سے متعلق شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا: کتب حدیثیہ میں اس کا کہیں وجود نہیں ہے، امام احمد وغیرہ اہل علم نے اس کا انکار کیا ہے۔ اور کہا کہ وہ غیر معروف ہے۔ اس کے علاوہ یہ حدیث صحیح کے معارض بھی ہے۔([78])۔

ابن القیم رحمہ اللہ نے کہا: اس حدیث کی کوئی بھی صحیح سند معلوم نہیں ہے، نیز یہ سنت صحیحہ اور قیاس کی مخالف روایت ہے، اسی لئے اس کے خلاف قول پر اہل علم کا اجماع منعقد ہے۔([79])۔

حدیث جابر رضی اللہ سے متعلق آپ کے دئے گئے جوابات درج ذیل وجوہات کی بنا مردود ہیں:

۱۔ آپ کا یہ کہنا کہ اس بیع میں اصل مقصود ہبہ ہے حدیث کے ظاہر کے خلاف ہے۔ اس لئے کہ بیع کے واقع ہونے پر حدیث کے الفاظ صریح ہیں۔ جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول: آپ کا ایک اور قول: مزید حدیث کا ظاہر یہ فائدہ دیتا ہے کہ ان کے ہاں اس طرح کی

---

[77] - فتح الباري: 314/5

[78] - الفتاوى: 132/29

[79] - إعلام الموقعين: 327/2

شرط کا ہونا بطور جواز کے معلوم بات ہے۔ اس لئے کہ جابر رضی اللہ عنہ وہی اس شرط رکھنے میں پیش قدمی کی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شرط کو تسلیم کیا۔ اگر یہ شرط باطل ہوتی آپ اس کو تسلیم نہ کرتے۔

۲۔ ان حضرات کا یہ کہنا کہ رواۃ نے حدیث بیانی میں اختلاف کئے ہیں جس کے نتیجے میں اس روایت سے استدلال نہیں کیا جاسکتا تو یہ بات اس وقت درست مانی جاتی جب ان الفاظ میں تقارب اور غیر ترجیحی امر ہو لیکن اس طرح کی روایات میں اگر کسی روایت کو دیگر پر ترجیح حاصل ہو تو اس پر عمل اور اس قبول کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔([80])۔

امام مالک رحمہ اللہ کا جواز پر قرب زمن کی قید لگانا اس پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ حدیث کے عموم میں دونوں داخل ہیں اس سے بعید کی نفی نہیں ہوتی ہے۔

قول ثانی کے اصحاب کی جو دلیل ہے (ولا شرطان في البيع) تو یہ دلیل صحیح ہے لیکن استدلال درست نہیں ہے۔ اس لئے کہ حدیث میں ایک سے زائد شرط میں وہ شروط نہیں شامل ہوں گے جس میں بائع اور خریدار دونوں کے فوائد مرتبط ہوں، یہ شروط پوری ہو سکتی ہیں اس میں شرعی حذر کچھ نہیں ہے۔ مذکورہ حدیث ایسی شروط سے متعلق ہیں جن میں مفسد ہو جیسے "العينة" وغیرہ مسائل ہیں۔ جیسے کوئی کہے: میں آپ کو یہ سامان ۱۰۰۰ ریال میں ایک سال کی مدت تک کے لئے فروخت کرتا ہوں، پھر اس سے علی الفور ۷۰۰ میں خود ہی خرید لے۔ اس طرح کے لین دین میں اغلب یہی ہے کہ لفظی یا ذہنی موافقت پر آپسی شرط طے کرلی جاتی ہیں، تو حدیث مذکور کا ایسی ہی شرط سے حذر ہے جس میں متعین طور سے نقصان ہو۔ جب کہ حدیث جابر میں بیع بھی ہے اور شرط بھی، جب شرعا ایک شرط کی اجازت ہے تو دوسری شرط کے منع کی کوئی دلیل نہ ہونے کی وجہ سے اس کی بھی اجازت ہے۔ اس پر مزید کلام آگے ہو گا ان شاء اللہ۔

[80] - أنظر: إحكام الأحكام لابن دقيق العيد: 104/4

ABM Print Time

مدبَّر کی بیع کا حکم

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: أَعْتَقَ رَجُلٌ مِنَّا عَبْدًا لَهُ عَنْ دُبُرٍ لَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ غَيْرُهُ. فَدَعَا بِهِ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فَبَاعَهُ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم میں سے ایک آدمی نے اپنا ایک غلام مدبر کر دیا۔ اس کے پاس اس کے علاوہ کوئی اور مال بھی نہیں تھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غلام کو بلوایا اور اسے فروخت کر دیا۔ بخاری و مسلم۔

ا۔ حدیث کی تخریج:

اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی "صحیح" کی مختلف کتابوں میں لائے ہیں، سب سے پہلے کتاب "البیوع" میں باب بیع المزایدة (2141) کے تحت لائے ہیں، اسی طرح باب بیع المدبر (2230) قائم کر کے اسی حدیث کو لائے ہیں، مزید کتاب "العتق" (25 34) میں اسی آخر الذکر باب کو ہی نقل فرمائے ہیں، البتہ یہاں حدیث مختصر الے آئے۔ اور یہ الفاظ حافظ کی "البلوغ" سے متقارب ہیں۔ اسی طرح کتاب "الاستقراض" میں بھی باب من باع مال المفلس أو المعدم وقسمه بين الغرماء. (2403) کے تحت لائے ہیں۔

اس حدیث کو امام مسلم کتاب "الزکاۃ" میں باب الابتداء في النفقة بالنفس ثم أهله ثم القرابة (997) کے تحت لائے ہیں، شیخین نے اس روایت کو از طریق اللیث، از ابو الزبیر، از جابر رضی اللہ عنہ لائے ہیں۔

اس حدیث کو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے " بلوغ المرام" کی کتاب " العتق" میں بھی دوسرے الفاظ سے لائے ہیں۔

۲۔ دوسری بات: حدیث مبارکہ بیع المدبر کے جواز پر دلیل ہے، اَلْمدَبَّر: مفعول کے وزن پر، اس کا مطلب ہے: ایسا غلام جس کی آزادی اس کے مالک کی موت سے مربوط ہوتی ہے۔ جیسے آقا کا اپنے غلام سے کہنا: میری موت کے بعد تم آزاد ہو۔ اس کا نام اَلْمدَبَّر پڑنے کی وجہ یہ ہے کہ اس غلام کی آزادی اس کے سید کی موت کے علی الفور، اس کے پیچھے ہو گی۔ الموت دبر الحياة.

حدیث کا ظاہر یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مدبر کو فروخت کر دیا کیونکہ اس کے مالک کے پاس اس کے علاوہ کوئی اور مال نہیں تھا۔ صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے: " أن رجلا أعتق غلاما له عن دبر، فاحتاج..."، ایک اور روایت میں ہے: "لم

ABM PrintTime

يكن له مال غيره"، اور قول راجح یہ ہے کہ اس کو صرف کسی حاجت کے تحت ہی بیچا جاسکتا ہے جیسے نفقہ کی ضرورت پوری کرنی ہو یا قرض کی ادائیگی ہو، بصورت دیگر نہیں۔ حسن بصری اور عطا کا یہی قول ہے، امام احمد سے بھی ایک قول منقول ہے، ابن دقیق العید رحمہ اللہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔([81])۔

دوسرا قول: مطلق طور سے اس کی بیع جائز ہے، یعنی مالک کو کسی چیز کی حاجت ہو یا نہ ہو۔ امام شافعی کا یہی قول ہے اور مذہب امام احمد میں یہی مشہور قول ہے([82])۔ انہوں نے کہا: بیع کی مختلف صورتوں میں سے کسی ایک صورت میں وہ جائز ہے تو دیگر صورتیں بھی جواز کے دائرے میں آجاتی ہیں۔ اور اس کی شکل مسئلہ وصیت سے قریب تر ہے کیونکہ وصیت کرنے والا باحیات ہے تو موت سے قبل رجوع کی پوری گنجائش باقی رہتی ہے۔

انہیں حضرات نے مانعین کے اس قول کا "فتاج" یہ جواب پیش کئے ہیں: اس کا اصل حکم میں کوئی دخل نہیں ہے۔ اس احتیاج کا ذکر فقط اس کی خرید و فروخت میں تیزی لانے کے لئے تھا۔ تاکہ مالک کو اس کی بیع کے جواز کا علم ہو جائے، اگر حاجت نہ ہوتی تو نہ بیچنا زیادہ بہتر ہے۔ قول اول میں ایک طرح کا وزن ہے جیسے آپ خود محسوس کر رہے ہیں، اس لئے کہ اس میں کل دلائل کو جمع کر دیا گیا ہے([83])۔ اس موضوع سے متعلق اس باب سے جڑے بقیہ احکام کے ضمن میں کلام ہو گا، ان شاء اللہ۔

---

[81] - إحكام الأحكام بحاشية الصنعاني: 569/4

[82] - المجموع: 244/9، المغني: 316/12

[83] - أنظر: الأحاديث الواردة في البيوع المنهي عنها: 170/1

ABM PrintTime

چوہا اگر گھی میں گر جائے تو کیا کیا جائے؟

عَنْ مَيْمُونَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَرَضِيَ عَنْهَا، أَنَّ فَأْرَةً وَقَعَتْ فِي سَمْنٍ، فَمَاتَتْ فِيهِ، فَسُئِلَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عنها. فَقَالَ: " أَلْقُوهَا وَمَا حَوْلَهَا, وَكُلُوهُ " رواه الْبُخَارِيُّ. .وَزَادَ أَحْمَدُ. وَالنَّسَائِيُّ: فِي سَمْنٍ جَامِدٍ.

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک چوہا گھی میں گر کر مر گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس گھی سے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس چوہے کو پھینک دو اور اس کے ارد گرد کا گھی بھی پھینک دو اور باقی گھی کھالو۔ اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔ اور احمد اور نسائی میں ان الفاظ کا اضافہ ہے کہ: چوہا جامد گھی میں گرا تھا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم، إِذَا وَقَعَتْ الْفَأْرَةُ فِي السَّمْنِ، فَإِنْ كَانَ جَامِداً فَأَلْقُوهَا وَمَا حَوْلَهَا، وَإِنْ كَانَ مَايِعاً فَلَا تَقْرَبُوهُ. رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَأَبُو دَاوُدَ. وَقَدْ حَكَمَ عَلَيْهِ الْبُخَارِيُّ وَأَبُو حَاتِمٍ بِالْوَهْمِ.

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب گھی میں چوہا گر جائے تو اگر گھی جامد ہو تو اس چوہے اور ان کے ارد گرد کے گھی کو پھینک دو اور اگر گھی مائع ہو تو پھر اس کے قریب بھی نہ جاؤ۔ اسے احمد اور ابو داود نے روایت کیا ہے اور بخاری اور ابو حاتم نے اس پر وہم کا حکم لگایا ہے۔

۱۔ حدیث کی تخریج:

پہلی حدیث جو میمونہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اس کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی " صحیح " کی مختلف کتابوں میں لائے ہیں۔ سب سے پہلے کتاب "الوضوء" میں باب ما يقع من النجاسات في السمن والماء (235)، (236)، **کے تحت لائے ہیں، اور کتاب** "الذبائح والصيد" **میں باب** إذا وقعت الفأرة في السمن الجامد أو الذائب (5540) **کے تحت از طریق مالک، از ابن شہاب ، از عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود، از ابن عباس رضی اللہ عنہما، از میمونہ رضی اللہ عنہا، لائے ہیں۔**

ABM Print Line

اورامام نسائی رحمہ اللہ (178/7)اس روایت کو از طریق عبد الرحمن بن مہدی، اوروہ مالک سے اسناد ہذا سے لائے ہیں، نسائی کے الفاظ یہ ہیں: أَنّ النبي صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سئل عَنْ فَأْرَةٍ وَقَعَتْ فِي سَمْنٍ جَامد؟ اس روایت کی سند صحیح ہونے کے باوجود اس میں قابل غور پہلو ہے، جیسے کہ ابن عبد الہادی رحمہ اللہ نے کہا ہے۔ اس لئے کہ اصحاب مالک رحمہم اللہ نے اس کا ذکر نہیں کئے ہیں([84])۔

مسند احمد کی ایک کئی ایک روایات میں سے ایک روایت میں (387/44) جو از طریق محمد بن مصعب، ازاوزاعی، اوروہ زہری سے روایت کرتے ہیں۔ اس روایت کے الفاظ یہ ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ میمونہ رضی اللہ عنہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس چوہے سے متعلق استفتاء فرمائی جو منجمد گھی میں گر گیا ہو؟ الحدیث۔ ابن عبد الہادی رحمہ اللہ نے واضح کیا ہے کہ حدیث میں یہ زیادتی محمد بن مصعب القرقسانی کی ہی جانب سے ہے، جنہیں یحیی بن معین سمیت علماء کی ایک جماعت نے ضعیف کہا ہے([85])۔ اہل علم کی تضعیف کو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ملخص کر کے ان الفاظ میں بیان کیا ہے: صدوق كثير الغلط۔

یہ روایت سے واضح ہے کہ سوال کرنے والی ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا تھیں، امام مالک رحمہ اللہ سے جو روایات ملتی ہیں ان میں استفسار کرنے والی میمونہ رضی اللہ عنہا ہی کو بتلایا گیا ہے([86])۔

رہی حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تو اس کو امام احمد (12/100- 101) اور ابو داود (3842) رحمہما اللہ نے از طریق معمر، وہ کہتے ہیں ہمیں خبر دی ابن شہاب نے، وہ ابن المسیب سے اور وہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

اس حدیث کا متن صحیح ہے، اس سند کے رجال ثقہ ہیں، صحیحین کے رجال ہیں۔ البتہ امام بخاری، ابو حاتم، ترمذی اور دار قطنی وغیرہ([87])۔ نے کہا: معمر بن راشد نے اس سند میں خطا کی ہے، اس طرح کہ انہوں نے از ابن شہاب، وہ ابن المسیب سے اور وہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی طریق سے روایت بیان کئے ہیں۔ معمر بن راشد سے ابن شہاب الزہری کے اصحاب نے اختلاف کیا ہے، جن میں سے امام مالک، ابن عیینہ جیسے حضرات ہیں۔ یہ زہری سے بطریق عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ، از ابن عباس، از میمونہ رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں۔ اسی لئے امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: هذا خطأ أخطأ فيه معمر، اور ابو حاتم کا قول ہے: وهم([88])۔

---

[84] - المحرر: 536/2

[85] - التنقيح: 566/2، تهذيب التهذيب: 458/9- 459

[86] - أنظر: فتح الباري: 343/1، 670/9

[87] - أنظر: " علل الترمذي ": 758/2- 759، " الفتاوى ": 490/21

[88] - أنظر: " جامع الترمذي ": 226/4، " العلل " لابن أبي حاتم: 12/2

صحیح بخاری میں مذکور ہے: سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ سے کہا گیا: معمر حدیث کو از زہری بیان کرتے ہیں، وہ سعید بن المسیب سے وہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ تو انہوں نے کہا: میں نے زہری سے صرف ایسا ہی سنا ہے کہ وہ عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ، وہ ابن عباس سے اور میمونہ رضی اللہ عنہما سے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں۔ اور میں نے اس طرح آپ سے بارہا سنا ہے۔([89])۔

اس حدیث کو بیان کرنے میں معمر بن راشد سے ایک اور خطا ہوئی ہے وہ کہ حدیث میں گھی کا سیال اور منجمد ہونے کا فرق آپ سے ہی بیان کیا گیا ہے۔ اس طرح معمر سے سند او متنا مخالفت ہوئی ہے۔ معمر بن راشد رحمہ اللہ غلط بیانی میں خصوصا ان کی وہ احادیث جو اہل بصرہ سے ہوں معروف ہیں۔ ابو حاتم الرازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ما حدث بالبصرة ففيه أغاليط، وهو صالح الحديث.([90])۔ اور اس حدیث کو آپ سے بیان کرنے والوں کی اکثریت بصریوں کی ہے۔ اس تفصیل سے یہ حدیث غیر محفوظ ہے، اور محفوظ یہ ہے کہ یہ حدیث مسند میمونہ سے ہے، مسند ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نہیں۔ اسی طرح گھی کا جامد اور غیر جامد کی تفریق بھی غیر محفوظ ہے۔

کچھ اہل علم نے حدیث معمر کو محفوظ جانا اور اس پر عمل بھی کیا۔ جن میں سے محمد بن یحیی الذھلی بھی ہیں جنہوں نے احادیث زہری کو جمع کیا ہے۔ انہیں میں سے امام احمد بھی ہیں جب آپ سے جامد و غیر جامد کے فرق سے متعلق استفسار کیا گیا تو آپ نے اس روایت سے استدلال کرتے ہوئے فتوی دیا تھا۔ امام احمد رحمہ اللہ کا معاملہ یہ تھا کہ آپ کچھ احادیث سے کبھی استدلال فرماتے تھے پھر آپ پر اس کی علل واضح ہوتیں۔([91])۔

۲۔ دوسری بات: حدیث مذکور اس بات پر دلیل ہے کہ اگر چوہا گھی میں گر کر مر جائے تو اس کے گرنے اور اطراف کی جگہ نجس ہے۔ چوہے کو اس میں سے نکالنا اور اطراف کے حصے کا اخراج کرنا واجب ہے، پھر بقیہ حصہ طاہر ہو گا۔ بقیہ حصہ کو وہ نجس نہیں کرے گا تو اس کو کھایا جا سکتا ہے۔ اس معاملہ میں گھی کے قلیل و کثیر میں کوئی فرق نہیں ہے۔

حدیث کا ظاہر سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ گھی کے جامد و مائع ہونے میں بھی کوئی فرق نہیں ہے، اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سائل کو مطلق جواب ارشاد فرمایا کہ چوہے کو اور اس کے اطراف کے حصے کو نکال دیا جائے اور پھر گھی استعمال کی جائے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سائل سے کوئی تفصیل طلب نہیں فرمائی کہ گھی جامد تھا یا مائع؟ جب کہ حجاز میں موجود گھی اغلب طور پر مائع ہوا کرتا ہے۔

---

[89] - " الصحيح ": 5538

[90] - الجرح والتعديل: 257/8، وانظر: مرويات الزهري: 980/2

[91] - الفتاوى: 493/21

جامد کی حد: اگر اس جگہ سے کچھ لے لیا جائے تو بقیہ حصہ اس سے مختل نہ ہو، اور اگر برتن ٹوٹ جائے تو وہ بہتا نہ ہو۔ اور مائع اس کے بر عکس ہے۔ یہ بعض اہل حدیث حضرات کا قول ہے، جیسے امام بخاری رحمہ اللہ ہیں۔ حدیث میمونہ رضی اللہ عنہا پر آپ نے جو باب قائم کیا ہے اس سے آپ محسوس کر سکتے ہیں۔ حنابلہ کے ہاں ایک قول یہ بھی ہے اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔([92])۔

دوسرا قول: گھی کے جامد و مائع ہونے کے فرق سے حکم میں بھی فرق ہو گا۔ جامد ہو تو صرف اس کے گرنے کی جگہ نجس ہو گی بقیہ پر طہارت کا حکم ہو گا۔ بلکہ ابن عبد البر رحمہ اللہ نے اس پر اہل علم کا اتفاق ہونا بیان کیا ہے([93])۔ رہا گھی کا مائع ہونا تو اس کے کل اجزاء کی نجاست ہو گی کیونکہ اس سے بقیہ حصہ بھی متاثر ہو جاتا ہے۔ چاہے گھی کم ہو یا زیادہ یا پھر گھی اس سے متغیر ہو یا نہ ہو۔ یہ جمہور کا مسلک ہے۔ ان کا مستدل مذکورہ حدیث میں معمر کی جانب سے زائد لفظ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اصل اختلاف معمر کی جانب سے ملنے والے زائد لفظ کی تصحیح اور عدم تصحیح کی وجہ سے ہے۔

راجح قول پہلا قول ہے، وہ ہے مائع اور جامد کے فرق سے حکم میں بھی فرق کا ہونا۔ مائع ہونے کے باوجود بھی سوائے تغیر کی صورت میں وہ طاہر ہے۔ قوی دلیل ہونے کی وجہ سے یہ راجح قول ہے، اسی بنیاد پر کئی صحابہ نے فتوی دیا ہے، جیسے ابن عباس اور ابن مسعود وغیرہ رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں([94])۔ شیخ عبد العزیز بن باز رحمہ اللہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔

رہا معمر کا از امام زہری جامد اور مائع کے فرق کو بیان کرنا تو وہ روایت ضعیف ہے جیسے کہ گذر چکا ہے۔ اس پر اضافہ یہ کہ وہ مضطرب بھی ہے۔ اس حدیث کا مدار جس شخصیت پر ہے وہ امام زہری ہیں جنہوں نے اس کے بر خلاف فتوی دیا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث یونس الایلی اپنی صحیح میں درج فرمائے ہیں جس میں ہے کہ امام زہری رحمہ اللہ سے استفسار کیا گیا کہ جانور اگر جامد یا دیگر طرح کی گھی میں گر کر مر جائے تو اس کا حکم کیا ہو گا؟ تو آپ نے اسی حدیث کو بیان فرما کر فتوی دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گھی میں پڑے چوہے سے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا اس کو اور اس کے قریبی حصے کو پھینک دیا جائے([95])۔ امام زہری جن پر حدیث بیانی قائم ہے آپ نے خود جامد و غیر جامد کے فرق کے بغیر فتوی دیا ہے۔ پھر کس بنیاد پر تفریق کی جا رہی ہے؟ اور تیل جو کہ سیال اور مائع ہے اس میں اور جامد میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اور اس لئے بھی کہ اس میں مکمل بہاؤ نہیں ہوتا ہے۔

---

[92] - أنظر: " الفتاوى ": 21/488- 502

[93] - التمهيد: 9/40

[94] - الفتاوى: 21/497- 498

[95] - صحيح البخاري: 5539

ان سب کے باوجود مائعات کے نجس ہونے کا حکم مشقت اور حرج پر مبنی ہے۔ اس لئے کہ دور حاضر میں شہد اور زیتون وغیرہ دیگر مائعات جس قنطار میں ہوتی ہیں ان کا بہاؤ کسی حرج سے کم نہیں۔ اور چوہا اس میں گر جائے تو اس کی حفاظت بھی بہت مشکل ہے۔ اس طرح نجس کا حکم یقیناً حرج میں ڈالنا ہے۔ اس لئے کہ جمہور کے قول کے مطابق دو قلہ سے کم پانی ہو تو تلف کیا جائے گا جو کہ ایک حرج ہے تو ان مائعات جیسے تیل اور شہد ہیں ان کے تلف ہونے کا نقصان کس طرح عظیم ہو گا؟

تیسری بات: گھی وغیرہ کی طہارت کا حکم نجاست سے عدم تغیر پر مشروط ہے۔ یعنی بو، رنگ اور مزہ متغیر نہ ہو۔ اگر اس میں سے کوئی بھی متغیر ہو جائے تو وہ نجس ہو گا اور اس کا استعمال جائز نہیں ہے۔ کیونکہ پانی جو کہ طاہر اور مطہر ہے وہ خود متغیر ہونے سے نجس ہو جاتا ہے تو ان مائعات کا متغیر ہونا کس قدر ہو گا جو کہ خود اپنے تئیں طہارت کا دفاع نہیں کر سکتے؟

یہ بات واضح ہے کے جامد شیء میں نجاست اس کے جمود کی وجہ سے کم ہی ہوتی ہے۔ ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ عطاء بن یسار کی ایک مرسل روایت لائے ہیں جس میں جامد شیء میں کف برابر تغیر کی خبر ہے([96])۔ اور اگر مائع ہو گری ہوئی چیز کے کچھ اطراف زائد حصے میں بھی نجس ہو گی جو کہ جامد سے بہر حال زائد ہے۔

چوتھی بات: گھی سے متعلق یہ حکم دیگر مائعات سے متعلق بھی ملحق ہو گا، جیسے تیل، شہد، اور دودھ وغیرہ ہے۔ حدیث میں گھی کا ذکر اس لئے کہ میمونہ رضی اللہ عنہا کا استفسار اسی سے مختص تھا، اور دیگر مائعات پر واضح قیاس کی وجہ سے ہو گا۔([97])۔

پانچویں بات: حدیث کے مفہوم (مخالف) سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ اگر چوہا گھی میں گر کر باہر زندہ نکل جائے تو گھی پر نجس کا حکم نہیں ہو گا۔ اسی لئے فقہاء نے بلی اور خلقت میں اس سے چھوٹے جانوروں کو تا حیات طہارت کے حکم میں رکھا ہے۔

چھٹویں بات: یہ بات جان لیں کہ مائع گھی سے متعلق مذکورہ کلام جس میں چوہے کے گرنے کی بابت کیا گیا ہے وہ صرف اس کے حلال ہونے یا نہ ہونے ہی کی حد تک ہے۔ ہاں اگر کسی کو اس کے استعمال سے کراہت ہو رہی ہے تو اس کے کل حصے کو بہانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ خاص کر اگر اس کی کراہت کرنے میں اس کے پاس نجاست والا شبہ قوی ہو۔ اس لئے کہ جمہور اس کے حرام ہونا ہی بتلاتے ہیں جس کا ذکر ہو چکا ہے۔

---

[96] - قال في " فتح الباري ": 670/9: " سنده جيد لولا إرساله ".

[97] - فتح الباري: 669/9

ABM Print Time

اگر گھی جامد ہو اور کراہت بھی ہو تو نہ پھینکنا زیادہ بہتر ہے۔ بلکہ کسی کو دے دیا جائے یا صدقہ کر دیا جائے۔ تا کہ اس کے پھینک دینے کی وجہ سے مال کا ضیاع نہ ہو۔ البتہ کسی کو دیتے وقت حقیقت بیانی سے کام لینے میں کوئی حرج نہیں ہے([98])۔ واللہ اعلم

کتے اور بلّی کی بیع کا حکم

عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ قَالَ: سَأَلْتُ جَابِرًا عَنْ ثَمَنِ السِّنَّوْرِ وَالْكَلْبِ؟ فَقَالَ: زَجَرَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عَنْ ذَلِكَ. رواه مسلم. والنَّسائي وزاد: إِلَّا كَلْبَ صَيْدٍ.

ابو الزبیر سے روایت ہے کہ میں نے جابر رضی اللہ عنہ سے بلی اور کتے کی قیمت کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ڈانتا ہے۔ اسے مسلم اور نسائی نے روایت کیا ہے اور نسائی نے یہ اضافہ کیا ہے کہ: سوائے شکاری کتے کے۔

ا۔ حدیث کی تخریج:

اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ کتاب" المساقاة " میں باب" تحريم ثمن الكلب ...والنهي عن بيع السنور" (1569) کے تحت از طریق حسن بن اعین اور وہ کہتے ہیں کہ ہمیں معقل نے بیان کیا، اور وہ ابو الزبیر سے، انہوں نے کہا: میں جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا:۔۔۔ الحدیث۔

اور امام نسائی (190/7، 309) نے از طریق حماد بن سلمہ اور وہ ابو الزبیر سے مذکورہ زیادتی کے ساتھ روایت کئے ہیں اور کہا: (ليس هو بصحيح) دوسرے مقام پر کہا: (هذا منكر) اس نکارت کی وجہ اس میں عام کتوں سے شکاری کتے کا مستثنیٰ بیان کیا جانا۔ اس لئے کہ یہ زیادتی دیگر روایتوں سے جن میں کی ایک روایت صحیح مسلم کی بھی ہے ثابت نہیں ہے۔ یہاں تضعیف سے مراد صرف اس لفظ کی زیادتی ہے، ورنہ حدیث زیادتی کے بغیر صحیح ہے۔

[98] - شیخ عبد العزیز بن باز رحمہ اللہ سے "بلوغ المرام" کی شرح کے دوران آپ سے سنا تھا۔

ABM Print Time

اس حدیث میں ایک اور علت بھی ہے، وہ یہ کہ اس میں حماد بن سلمہ کی طرف سے مرفوع یا موقوف ہونے پر اختلاف کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ اس روایت کو وکیع نے از حماد اور وہ جابر سے موقوف بیان کئے ہیں۔ جب کہ ہیثم بن جمیل اور دیگر رواۃ نے حماد سے مرفوع روایت کرتے ہیں۔ اور امام دار قطنی رحمہ اللہ نے اس کے موقوف ہونے کو راجح قرار دیا ہے۔([99])۔

امام بیھقی رحمہ اللہ کہتے ہیں: کتے کی بیع سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث مذکورہ استثنا سے خالی ہیں۔ اس استثنا کا تعلق احادیث صحیحہ میں صرف پالنے سے مختص ہے۔ ممکن ہے رواۃ میں سے کسی پر التباس کی وجہ سے اس استثنا کو بیع سے جوڑ دئے ہوں۔ اور رواۃ بھی جو کہ طبقات صحابہ اور تابعین سے بعد کے ہوں گے۔ واللہ اعلم([100])۔

دوسری بات: اور پر یہ بات گذر چکی ہے کہ یہ حدیث کتے کی بیع کو جائز کہنے والوں کی دلیل ہے۔ چونکہ حدیث میں مذکور زیادتی ثابت نہیں ہے تو یہ استدلال بھی ادھورا ہے۔

تیسری بات: یہ حدیث بلی کے کاروبار کی تحریم پر بھی دلالت کرتی ہے۔ یہ لفظ السنور: حرف سین کے کسرہ اور نون مشددہ سے ہے۔ جو کہ عربی زبان کے دیگر لفظ القط والھر ہے۔ اس کی قیمت کا حرام ہونا اس کی بیع کے حرام ہونے کو لازم ہے اس لئے کہ یہ نجس عین ہے۔ سوائے کسی خاص حاجت کے اس سے انتفاع درست نہیں ہے، جیسے چوہے اور کیڑے مکوڑے وغیرہ ختم کرنا ہو۔ بلی کی بیع کے حرام ہونے سے متعلق کئی اہل علم نے فتوی دیا ہے، جیسے صحابہ میں سے جابر بن عبد اللہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما، تابعین میں سے طاووس اور مجاہد کا یہی قول ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ سے ایک قول یہ بھی منقول ہے، اسی کو ابو بکر عبد العزیز اور ابن القیم نے اختیار کیا ہے([101])۔ اور ابن رجب نے اس کو صحیح کہا ہے۔([102])۔

جمہور اہل علم اس کی بیع کے جواز کے قائل ہیں([103])۔ اور حنابلہ کا یہی قول ہے۔ علامہ خرقی نے بھی اپنی "المختصر" ([104])۔ میں اسی طرف میلان رکھا ہے۔ اس میں موجود منفعت کی وجہ سے انہوں نے جائز قرار دیا ہے جیسا کہ گذر چکا ہے۔ البتہ انہوں نے حدیث میں بلی

---

[99] - أنظر: " سنن الدار قطني ": 73/3، " الأحاديث الواردة في البيوع المنهي عنها ": 131/1.

[100] - السنن الكبرى: 6/6

[101] - شرح الزركشي: 677/3، " زاد المعاد ": 773/5

[102] - القواعد: ص 227

[103] - المجموع: 284/9

[104] - المغني: 359/6

کی ممانعت کو ایسی بلیوں سے مقید کیا ہے جو یا تو کسی کی ملکیت میں ہوں یا پھر ان میں کوئی فائدہ نہ ہو۔ اس لئے کہ اکثر بلیلاں عام سی ہوتی ہیں ان میں کوئی قابل انتفاع شیء نہیں ہوتی ہے۔ ان حضرات کا یہ کہنا بھی ہے کہ ممانعت سے صرف کراہت مراد ہے۔ اس طرح کے دیگر باتیں بھی ہیں۔([105])۔

راجح پہلا قول ہے: ایک تو حدیث صحیح ہے، دوسرے اس کی معارض کوئی حدیث نہیں ہے۔ اس لئے اسی کو اختیار کرنا واجب ہے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سنت کے ظاہر پر عمل کرنا زیادہ بہتر ہے، اگر امام شافعی رحمہ اللہ کے یہ حدیث گوش گذار ہوئی ہوتی تو آپ ان شاء اللہ اسی کے مطابق کہتے([106])۔ دوسرا قول جو کہ جواز کا ہے انہوں نے حدیث کے ظاہر کو نظر انداز کر کے استدلال کیا ہے جو کہ بلا دلیل ہے([107])۔ حدیث کو اس کے عموم پر باقی رکھنا زیادہ بہتر ہے۔ واللہ تعالی اعلم۔

صرف شرعی شروط کا اعتبار ہو گا دیگر شرطیں باطل ہوں گی

عَنْ عَائِشَةَ رضي اللَّه عَنْها قَالَت: جاءَتْني بريرةُ، فَقَالَت: كَاتَبت أَهْلِي عَلَى تِسْعِ أُوَاقٍ، فِي كُلِّ عَامٍ أُوقِيَّةٌ، فَأَعِينِينِي. فَقُلْتُ: إنْ أَحَبَّ أَهْلُكِ أَنْ أَعُدَّها لَهُم ويكُونَ وَلاَؤُكِ لِي فَعلْتُ، فَذَهَبتْ بريرةُ إِلَى أَهلِها. فَقَالَتْ لَهُم؛ فَأَبَوا عَلَيها، فَجاءَت مِن عِنْدِهِم، ورسولُ اللَّه صلى الله عليه وسلم جالِسٌ. فَقَالَت: إني قَدْ عَرَضْتُ ذَلِكَ عَليهِم فَأَبوا إِلَّا أَنْ يَكُونَ الْوَلَاءُ لَهُمَ، فَسمع النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فَأَخبرتْ عائشةُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم. فَقَالَ: خُذِيها واشْتَرطِي لَهُم الْوَلَاءَ، فَإِنَّما الْوَلَاءُ لمن أَعتَقَ فَفعلَتْ عائشةُ، ثُمَّ قامَ رسولُ اللَّه صلى الله عليه وسلم فِي النَّاسِ [خطيباً]، فَحمِدَ اللَّه وأَثْنَى عليه. ثُمَّ قال: " أَمَّا بعدُ، ما بالُ رجالٍ يشترطُون شُرُوطاً لَيْسَت فِي كتابِ اللَّه عز وجل ما كانَ من شرطٍ لَيس فِي كتاب اللَّه فهو باطلٌ، وإنْ كانَ مائةَ شرطٍ، قضاءُ اللَّه أَحقُّ، وشرطُ اللَّه أَوثَقُ، وإِنَّما الْوَلَاءُ لمن أَعْتَقَ ". متَّفقٌ عليه، واللَّفظُ للبُخاري. وعِنْد مُسلمٍ فَقَالَ: اشْتَريها وأَعتقيها واشْتَرطي لَهم الْوَلاءَ.

عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میرے پاس بریرہ (لونڈی) آئی اور اس نے کہا: میں نے اپنے مالک سے نو اوقیہ چاندی پر مکاتبت کی ہے، ہر سال ایک اوقیہ ادا کرنا ہے تو آپ میری اعانت کیجئے۔ اس پر میں نے کہا کہ اگر تیرا مالک پسند کرے کہ میں ساری رقم ادا کر دوں

105 - أنظر: " شرح الزركشي ": 678/3، و " زاد المعاد ": 773/5

106 - السنن الصغير: 278/2

107 - أنظر: " شرح الزركشي ": 678/3، و " زاد المعاد ": 773/5، 774

اور تیری ولاء میری ہو جائے تو میں ایسا کر دیتی ہوں۔ بریرہ اپنے مالک کے پاس گئی اور اس نے انہیں یہ بات بتائی تو انہوں نے اس کا انکار کر دیا۔ پھر وہ ان کے پاس سے (عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس) آئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف فرما تھے۔ اس نے عرض کیا: میں نے یہ بات ان کے سامنے رکھی لیکن انہوں نے اس کا انکار کر دیا ہے اور ان کا کہنا ہے کہ ولاء ان کے لئے ہی ہے۔ یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنی اور عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ واقعہ سنا دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اسے لے لو اور ان سے ولاء کی شرط لگالو کیونکہ ولاء اسی کی ہوتی ہے جو آزاد کرے"۔ چنانچہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایسا ہی کر دیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں کھڑے ہوئے اور اللہ تعالی کی حمد وثنا کے بعد فرمایا: "لوگوں کی کیا حالت ہے کہ ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو کتاب اللہ میں نہیں ہیں؟ (یاد رکھو!) جو شرط بھی کتاب اللہ میں نہیں وہ باطل ہے خواہ ایسی سو شرطیں ہی کیوں نہ ہوں، اللہ کا فیصلہ سب سے زیادہ مستحق ہے اور اللہ کی شرط سب سے پختہ ہے اور ولاء صرف اسی کی ہے جس نے آزاد کیا"۔

بخاری و مسلم۔ یہ لفظ بخاری کے ہیں اور مسلم میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے خرید کر آزاد کر دو اور ان سے ولاء کی شرط لگالو"۔

ا۔ حدیث کی تخریج:

اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں ۲۴ مقامات پر لائے ہیں، سب سے پہلے کتاب" الصلاة "،باب" ذكر البيع والشراء على المنبر في المسجد "کے تحت اور کتاب" البيوع "(456) میں باب" إذا اشترط شروطا في البيع لا تحل "(2168) کے تحت لائے ہیں۔ آپ اس حدیث مبارکہ کو از طریق امام مالک، وہ ہشام بن عروہ سے اور وہ ان کے والد سے اور وہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے انہیں الفاظ میں لائے ہیں جن الفاظ کے تحت حافظ ابن حجر نے لائے ہیں۔ آپ اس حدیث کو کتاب" النكاح "میں بھی لائے ہیں، جس کا ذکر وہاں ان شاء اللہ کیا جائے گا۔

امام مسلم رحمہ اللہ اپنی صحیح کی کتاب" العتق "میں باب" بيان أنما الولاء لمن أعتق "(1504) کے تحت کئی طرق سے اس روایت کو لائے ہیں۔ اور وہ الفاظ جو حافظ نے لائے ہیں اس کو آپ نے ابو اسامہ کی طریق سے ذکر کئے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ہشام بن عروہ نے بیان کیا، ہشام نے کہا ہمیں ہمارے والد نے خبر دی، اور انہیں ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کی خبر دی ہیں۔

ABM PrintTime

یہ حدیث نہایت عظیم حدیث ہے، عالی قدر، متعدد فوائد اپنے اندر رکھے ہوئے ہے جس سے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تقریبا ۱۲۰ فائدے مستنبط کئے ہیں([108])۔ اور آپ نے میں کہا ہے کہ بعض اہل علم نے اس کے مستفادات پر مستقل رسالہ تصنیف فرمائے ہیں، جس میں ۳۰۰ سے زائد فوائد ہیں۔([109])۔

۲۔ الفاظ کی شرح:

جَاءَتْنِي بَرِيرَةُ: یہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی لونڈی ہیں۔ جنہیں آپ نے خرید کر آزاد کیا ہے۔ بریرہ رضی اللہ عنہا کی خریداری سے قبل وہ ام المومنین عائشہ کی خدمت کیا کرتی تھیں، اس وقت وہ مغیث جو کہ ابو احمد بن جحش الاسدی کے غلام تھے ان کی بیوی تھیں۔ مغیث غلام ہی تھے جب کہ یہ آزاد ہو گئی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مغیث کے ساتھ رہنے کا اختیار دیا تھا تو انہوں نے جدائی کو پسند کیا۔ اس کی مزید تفصیل ان شاء اللہ کتاب " النکاح " میں آئے گی۔ بریرہ رضی اللہ عنہا ایک لمبی مدت تک باحیات رہیں جو کہ معاویہ بن ابو سفیان رضی اللہ عنہما کی امارت میں وفات پائیں۔([110])۔

كَاتَبْتُ أَهْلِي: الكتابة: غلام کا اپنے آقا سے خود کی خریداری کر لینا۔ وہ اس طرح سے کہ کوئی غلام اپنے آقا سے یہ معاہدہ کر لے کہ وہ ایک متعین قیمت قسطوں میں ادا کر کے آزاد ہو جائے گا۔ اور بریرہ رضی اللہ عنہا کا " أَهْلِي " کہنے سے مراد ان کے مولی ہیں جو کہ کچھ انصاری لوگ تھے۔

عَلَى تِسْعِ أُوَاقٍ: یہ أوقية: کی جمع ہے اور اس سے قبل گذر چکا ہے کہ اس زمانے میں اس کی قیمت ۴۰ درہم تھی۔ اور أُوَاقٍ کی اصل أُواقي، یعنی یاء مشدد ہے۔ یاء کی مخفف اور محذوف بھی جائز ہے۔

أَنْ أَعُدَّهَا لَهُمْ: یعنی میں اس کو یکبارگی ادا کر دوں گی۔ جیسے کہ صحیح بخاری کی روایت میں ہے:" أرأيت إن عددت لهم عدة واحدة أيبيعك أهلك..."([111])۔

وَلَاؤُكِ لِي: یعنی تمہاری آزادی سے ولاء میری ہو گی۔ آزادی سے ہونے والی ولاء سے مراد یہ ہے کہ آزاد کرنے والا غلام کا وارث ہو گا، یا پھر خود غلام اپنے آزاد کرنے والے کا اس صورت میں کہ اس کا کوئی وارث نہ ہو تو بطور عصبہ اس کا وارث بنے گا۔ الولاء کا اصل

---

[108] - فتح الباري: 411/9- 416

[109] - الإصابة: 157/12

[110] - " الإصابة ": 157/12، " فتح الباري ": 188/5

[111] - صحيح البخاري: 2560

معنی نصرت اور تائید کے آتے ہیں۔ اس کا اطلاق قرابت پر بھی ہوتا ہے۔ لیکن یہاں آزادی سے ہونے والی ولاء مراد ہے۔ یعنی اس ولاء کا سبب آزادی اور عتق ہے اور وہ عصوبہ ہے۔ آزاد کرنے والے کا غلام کے حق میں آزادی کی شکل میں ایک نعمت ہوتی ہے اس سبب سے ولاء ہوتی ہے۔

إِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ: یعنی ان شرطوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے اس لئے کہ ولاء آزاد کرنے والے سے متعلق ہے بیچنے والے سے نہیں، جملہ میں " إِنَّمَا " کی وجہ سے جو حصر کا متقاضی ہے یہ معنی ہو گا کہ ولاء صرف آزاد کرنے والے کے لئے ہے اور جو آزاد نہیں کیا ہے اس کے حق میں مکمل نفی ہے۔

مَا بَالُ رِجَالٍ: یہ " أما " کا جواب ہے، اصلا یہ حرف فاء سے جڑا ہونا چاہئے تھا، اس کا یہاں محذوف ہونا ایک نادر صورت ہے جیسے کہ ابن ہشام نے ذکر کر کے بطور مثال اسی حدیث کو لائے ہیں([112])۔ حدیث میں "ما بال" کا معنی ہے: کیا بات ہے؟ لوگوں کا معاملہ کیا ہے؟ اور حدیث میں لفظ "رجال" سے مفہوم مخالف نہیں لینا چاہئے۔ اس لئے کہ اس وقت خرید و فروخت کا معاملہ بطور قصہ کے مرد حضرات سے مختص تھا۔ کچھ روایات میں یہ لفظ آیا ہے:" ما بال أقوام "۔

لَيْسَتْ فِي كِتَابِ اللَّهِ: یعنی یہ حکم اللہ تعالی کا نہیں ہے اس کی شریعت میں موجود نہیں ہے نا اس کی کتاب میں اور نہ ہی اس کے رسول کے فرامین میں، بلکہ اس کے معارض ہے۔ یہاں کتاب اللہ سے مراد صرف قرآن نہیں ہے اس لئے کہ بیع کی اکثر صحیح شروط قرآن میں نہیں بیان کئے گئے ہیں بلکہ سنت سے اس کو معلوم کیا گیا ہے۔

فَهُوَ بَاطِلٌ: باطل یہ صحیح کا ضد ہے۔ لغوی اعتبار سے اس کا معنی ہے، کسی شیء کو ضائع کرنے والا اور نقصان اٹھانے والا کو کہتے ہیں۔

اور اصطلاحی معنی ہے: جس فعل کے آثار اس پر مرتب نہ ہوں، چاہے وہ عبادت ہو یا کوئی عقد ہو۔

قَضَاءُ اللَّهِ أَحَقُّ: یعنی اللہ تعالی کے فیصلے پر اس کی شریعت پر عمل کرنا حق کی مخالف شرطوں کی پیروی سے اولی ہے۔

وَشَرْطُ اللَّهِ أَوْثَقُ: یعنی بطور حکم کے زیادہ قوی اور مضبوط ہے، کسی امر میں پائی جانے والی ساری شروط میں اللہ تعالی کی طرف سے طے شدہ شروط زیادہ محکم اور موثق ہوتی ہیں۔ ان دونوں میں جو اسم ہے ظاہر یہی ہے کہ یہ اسم تفضیل کے باب سے نہیں ہے اس لئے کہ حق و باطل میں کوئی مشارکت ہی نہیں ہے کہ موازنہ کیا جائے۔ یہ تو بس صفت مشبہ کی قبیل سے ہے جس کا معنی یہ ہو گا: اللہ تعالی کا فیصلہ وہی حق ہے، اس کی طرف سے جو شرطیں ہوں گی وہی قوی ہیں۔

---

[112] - أوضح المسالك: 235/4

ABM PrintTime

تیسری بات: حدیث مبارکہ غلام کے مکاتبت کرنے کی صحت پر دلیل ہے، اس لئے کہ اس عمل سے اس کی آزادی جڑی ہوئی ہے۔ آقا اپنے غلام سے ایک معین مبلغ پر متفق ہو جائے کہ غلام اس کی وہ قیمت ادا کر دے، اور آقا کا اپنے غلام کو اکتساب کی اجازت بھی دیتا ہو تو وہ کما کر اس کی قیمت ادا کر دے گا تو پھر آزاد ہو جائے گا۔ اس سے اسلام کی غلاموں کے حق میں آزادی کی تڑپ معلوم ہوتی ہے۔ اور یہ طریق غلاموں کو آزاد کرنے کے متعدد وسائل میں سے ایک ہے۔

چوتھی بات: یہ مکاتبت ایک موجل قرض ہے جس میں قسط وار قیمت ادا کی جاتی ہے۔ اس لئے کہ اس عقد کے وقت غلام کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا ہے۔ البتہ موخر کر کے دینے کی کوئی لازمی شرط نہیں ہے بلکہ یکبارگی بھی کسی کی طرف سے دے دیا جا سکتا ہے۔ جیسے کہ حدیث میں ہے: "إن أحب أهلك أن أعدها لهم..." اور ایسا کبھی ہو جاتا ہے جب غلام قوی ہو اور اس کے پاس کاریگری اور ہنر ہو تو وہ ایک ہی بار میں اس قیمت کو جمع کر کے ادا کر سکتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿فَكَاتِبُوهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا﴾(النور: 33)۔ اس میں اللہ تعالی نے قسط وار اور تاجیل کی بات نہیں کہی ہے بلکہ صرف کتابت کا حکم دیا ہے۔

پانچویں بات: حدیث مبارکہ اس امر پر بھی دلیل ہے کہ کوئی غلام اپنے آقا سے آزادی کی شرط پر مکاتبت کر سکتا ہے۔ اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آزادی کی شرط پر نکیر نہیں فرمائی ہے، آپ نے تو ولاء کی شرط پر نکیر کئے تھے۔ اس لئے کہ بریرہ رضی اللہ عنہا مکاتب تھیں، اور ان کے اہلیان نے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کو ایک قیمت پر نقد فروخت کیا تھا تاکہ وہ آزاد ہو جائے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب "العتق" میں باب "بيع المكاتب إذا رضي"([113])۔ قائم کیا ہے، تو جب مکاتب مکاتبت پر ہونے والی رقم ادا کر دیتا ہے تو وہ آزاد ہو جائے گا اور اس کی ولاء اسی کے لئے ہو گی، اگر اس کی قیمت ادا کرنے سے وہ عاجز ہو جاتا ہے تو پھر وہ غلام ہی رہے گا۔

چھٹویں بات: حدیث مذکور اس بات پر بھی دلیل ہے کہ ولاء کا تعلق آزاد کرنے والے سے ہو گا، جو فروخت کر رہا ہے اس سے نہیں ہو گا۔ اس طرح بائع کی طرف سے بیع کرتے ہوئے ولاء کی شرط رکھنا باطل ہے اس کی بیع کی صحت پر کوئی اثر نہیں ہو گا بلکہ صرف یہ شرط باطل ہو جائے گی اور عقد تو صحیح ہو گا۔

ساتویں بات: یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جو شروط عقد کے مقتضی کے مخالف ہوں تو فاسد اور غیر معتبر ہوں گے بقیہ عقد صحیح ہو گی اس کو فاسد نہیں کریں گی۔ اس طرح کی شروط حرام ہیں اس لئے جائز نہیں ہیں، اس لئے بھی کہ ان شروط کی وجہ سے اللہ تعالی کی حدود سے تجاوز کرنا ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر شرعی شروط قائم کرنے والوں اور اللہ تعالی کے حکم کے بغیر شرط رکھنے والوں پر نکیر

---

[113] - فتح الباري: 194/5

فرمائے ہیں۔ ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: شرعی ضابطہ جس پر نص دلالت کرتا ہے وہ یہ کہ جو شرط بھی اللہ تعالی کے حکم کے خلاف ہو وہ باطل ہے۔ اور جو اس کے حکم کے مخالف نہیں ہے اس پر عمل کرنا لازم ہے۔([114])۔

آٹھویں بات: اہل علم نے اس کی شرح میں اختلاف کئے ہیں: " اشْتَرِطِي لَهُمُ الْوَلَاءَ " اس کا ظاہر یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع میں ایسی شرط کی اجازت دے رہے ہیں جو کہ فاسد ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح اس بیع کی اجازت دے رہے ہے ہیں جو کہ ایسی شرط پر واقع ہونے جارہی ہے جس کا ابطال ہونا ہی ہے؟ اس امر سے متعلق اہل علم کے دو موقف ہیں:

پہلا موقف: اس لفظ ہی کا ابطال کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہی نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس کو بیان کرنے میں امام مالک از طریق ہشام اور وہ عروہ سے روایت کرنے میں منفرد ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اکثر روایات میں یہ لفظ ساقط ہے۔ لیکن یہ موقف نہایت ضعیف ہے اس لئے کہ اہل علم کی بڑی تعداد نے اس کو ثابت کیا ہے اس لئے کہ اس کے رواۃ ثقہ ہیں۔

دوسرا موقف: یہ کہا جائے گا کہ وہ حضرات اس شرط کے فاسد ہونے کو معلوم کر لئے تھے، اس لئے کہ بریرہ رضی اللہ عنہا سے متعلق گفتگو طول پکڑ رہی تھی، تو وہ لوگ اس بات سے واقف ہو گئے تھے کہ جو آزاد کرے گا ولاء اسی کے لئے ہو گی۔ اس کے باوجود بھی وہ اس شرط پر مصر تھے اور اسی کو پیش کر رہے تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ان کی حالت پر چھوڑ دیا کہ وہ شرطیں بناتے رہیں۔ آپ کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ: اے عائشہ تم شرط رکھو یا نہ رکھو انہیں اس کا کچھ فائدہ ہونے والا نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس کا وجود اور عدم دونوں برابر ہیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے فساد کو بیان فرمایا اور اس کے نفاذ کو ممنوع قرار دیا۔ مزید سبھی امت کے لئے اس کو عمومی طور سے بیان فرمایا کہ جو شرط بھی اللہ کے حکم کے خلاف ہو گی وہ ملغا ہو گی۔

نویں بات: اس حدیث سے قسط وار بیع کا جواز بھی ثابت ہوتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی سامان کو اس اعتبار سے فروخت کرے کہ اس کی قیمت کو ایک مدت کے لئے مقرر کر دے ساتھ میں اس کی قیمت کو اس مدت سے جوڑ کر مزید بڑھا دے۔ عام اہل علم کا موقف یہ ہے کہ یہ جائز ہے۔ بلکہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس کے جواز پر اہل علم کا اجماع ذکر کئے ہیں([115])۔ اس کے جواز پر بکثرت دلائل موجود ہیں اور یہ حدیث بھی انہیں دلائل میں سے ہے۔ اور حدیث السلم جو اپنے باب کے تحت آئے گی اس کے علاوہ بھی دلائل ہیں۔ معنوی اعتبار سے بھی اس تقسیط والی بیع میں مشتری اور بائع دونوں کے لئے آسانی اور سہولت ہے اور کسی کے لئے نقصان نہیں ہے۔

---

[114] - إعلام الموقعين: 402/3

[115] - فتح الباري: 4/ 302

البتہ تقسیط کے دوران بائع پر ضروری ہے کہ وہ آمدنی اور فائدے میں کچھ پر اکتفا کرلے، کہیں اتنا نہ بڑھادے کہ اس کے مسلم بھائی پر شاق گذرے اور اس کی ادائیگی میں وہ تکلیف محسوس کرے۔ واللہ تعالی اعلم۔

ام ولد کی بیع کا حکم

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: نَهَى عُمَرُ عَنْ بَيْعِ أُمَّهَاتِ الْأَوْلَادِ فَقَالَ: لَا تُبَاعُ، وَلَا تُوهَبُ، وَلَا تُورَثُ ، لِيَسْتَمْتِعْ بِهَا مَا بَدَا لَهُ، فَإِذَا مَاتَ فَهِيَ حُرَّةٌ. رواه مالك، والْبَيْهَقِيُّ، وَقَالَ: رفعه بعض الرُّوَاة، فوهم.

ابن عمر رَضِیَ اللہ عنہما سے روایت ہے کہ عمر رَضِی اللہ عنہ نے ام وَلد لونڈیوں کی بیع سے منع کیا اور فرمایا کہ نہ تو انہیں فروخت کیا جائے نہ ہبہ کیا جائے اور نہ ہی میراث میں تقسیم کیا جائے۔ جب تک مالک چاہے اس سے فائدہ اٹھائے اور جب فوت ہو جائے گا تو وہ آزاد ہو گی۔ اسے مالک اور بیہقی نے روایت کیا ہے اور بیہقی نے کہا ہے کہ بعض نے اسے مرفوع کہا ہے جو وہم ہے۔

عَنْ جَابِرٍ رضي الله عنه قَالَ: كُنَّا نَبِيعُ سَرَارِينَا، أُمَّهَاتِ الْأَوْلَادِ، وَالنَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم حَيٌّ، لَا نَرَى بِذَلِكَ بَأْسًا. رواه النَّسائيُّ، وابن ماجه والدَّارقُطْنِيُّ، وصَحَّحَه ابن حبَّان.

جابر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہم اپنی ام ولد لونڈیوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں فروخت کرتے تھے، آپ اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ اسے نسائی، ابن ماجہ اور دار قطنی نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔

ا۔ حدیث کی تخریج:

پہلی حدیث جو ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہے اس کو امام مالک رحمہ اللہ نے اپنی " الموطأ " کی کتاب" العتق والولاء " میں باب" عتق أمهات الأولاد"(776/2) کے تحت از طریق نافع، اور وہ عبد اللہ بن عمر سے لائے ہیں۔ اور امام بیہقی(342/10، 343) از طریق سلیمان بن بلال، وہ عبد اللہ بن دینار سے اور وہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے کہا: اس روایت کو بیان کرنے میں بعض رواۃ سے مغالطہ ہوا ہے کہ انہوں نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعا بیان کئے ہیں، جو کہ ان کی

طرف سے وہم ہے اس کا مرفوع بیان کرنا صحیح نہیں ہے۔ امام دار قطنی رحمہ اللہ نے یہ کہنے میں آپ سے سبقت کئے ہیں آپ نے اس کے موقوف ہونے سے متعلق کہا کہ: یہی درست ہے۔([116])۔

رہی حدیث جابر تو اس کو امام نسائی رحمہ اللہ اپنی "السنن الکبری" میں کتاب "العتق" (56/6) (5021)، باب "في أم الولد" میں اور ابن ماجہ (2517)، امام دار قطنی (135/4)، اور ابن حبان (165/10) یہ سب از طریق ابن جریج اور انہوں نے کہا: ابو الزبیر نے مجھے خبر دی ہے کہ انہوں نے جابر رضی اللہ عنہما کو یہ کہتے ہوئے سنا۔۔۔۔ پھر پوری حدیث بیان کی۔ اس کی اسناد امام مسلم رحمہ اللہ کی شرط پر صحیح ہے۔ امام نووی([117])۔ اور شیخ الالبانی([118])۔ رحمہما اللہ نے صحیح کہا ہے۔

اس حدیث کو امام ابو داود (3954)، ابن حبان (166/10)، حاکم (19/2، 18) اور بیہقی (347/10) ان سبھوں نے از طریق حماد بن سلمہ اور وہ قیس بن سعد وہ عطا بن ابو رباح سے اور وہ جابر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "بعنا أمهات الأولاد على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبي بكر، فلما كان عمر انتهينا "، اس کی سند مسلم کی شرط پر صحیح ہے، جیسے کہ امام حاکم رحمہ اللہ نے کہا اور اس پر علامہ ذہبی نے سکوت فرمایا اور شیخ البانی رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے([119])۔

دوسری بات: عمر رضی اللہ عنہ کے اس اثر کی رو سے ام ولد کی بیع حرام ہے۔ ام ولد سے مراد وہ لونڈیاں ہیں جو اپنے سردار کو جنتی ہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول سے انصار و مہاجرین نے موافقت کی ہے۔ اس لئے کہ اس بیع کے ذریعے ماں اور بیٹے کی درمیان جدائی ہو جاتی ہے اور مزید ان آزاد بچوں کی غلامی اور آبرو پر حملے کی وجہ سے اذیت بھی ہوتی ہے۔ تو عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے عدم فروخت کو بہتر جانا۔ اور ان کے سردار کے فوت ہو جانے کے بعد ان کی اولاد انہیں آزاد کر دے گی، اور ان کے سردار کی موت کے بعد وہ مکمل طور پر آزاد ہوں گی جنہیں ہر طرح کی تصرفات کا حق ہو گا۔ ان کی بیع سے منع اس لئے کہ سردار کی موت کے سبب وہ آزاد ہو جائیں، اس وجہ سے ان کی بیع ممنوع تھی۔

---

[116] - أنظر: " العلل ": 41/2، 191/13- 192، " الأحاديث الواردة في البيوع المنهي عنها ": 161/1

[117] - " المجموع ": 243/2

[118] - الإرواء: 189/6

[119] - الإرواء: 189/6

جمہور اہل علم کا یہی قول ہے، اور کچھ نے اس پر اجماع کہا ہے([120])۔ ظاہر یہ ہے کہ اس مسئلہ میں اختلاف موجود ہونے کی وجہ سے اجماع ثابت نہیں ہے۔ البتہ جس پر جمہور اہل علم ہیں وہ اجماع کی طرح ہے کہ فہم صحابہ کی وجہ سے کہ انہیں فروخت نہیں کیا جائے گا۔ ابن قدامہ رحمہ اللہ نے صحابہ کا اجماع نقل کیا ہے۔([121])۔

علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں اس سے رجوع کا ارادہ کیا تھا۔ عبد الرزاق رحمہ اللہ نے از طریق معمر، از ایوب، از ابن سیرین، از عبیدہ السلمانی انہوں نے کہا: علی رضی اللہ عنہ نے کہا: عمر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے ام الولد سے متعلق مناظرہ کیا تو میں نے کہا وہ فروخت کر دی جائیں گی، آپ نے کہا: نہیں بیچی جائیں گی۔ آپ نے کہا: عمر رضی اللہ عنہ نے برابر مجھ سے تراجع کروا رہے تھے لیکن میں اسی قول پر باقی رہا۔ پھر آپ کا انتقال ہو گیا، لیکن جب خلافت کا معاملہ میرے سپرد کیا گیا تو میں نے سمجھا کہ انہیں فروخت کر دیا جائے۔ تو عبیدہ نے کہا: آپ کی رائے میں آپ اکیلے ہیں، لیکن عمر رضی اللہ عنہ کی رائے اجتماعی رائے ہے اس کو لینا مجھے آپ کی انفرادی رائے لینے سے زیادہ پسند ہے۔([122])۔

تیسری بات: جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ام الولد کی بیع کے جواز پر دلالت کرتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس عمل سے واقف تھے پھر بھی آپ نے سکوت فرمایا۔ یہ قول علی بن ابو طالب، ابن عباس اور ابن الزبیر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے([123])۔ احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے بھی ایک قول منقول ہے، ابن عقیل اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ([124])۔ نے اسی کو اختیار کئے ہیں، داود ظاہر، قتادہ اور ایک جماعت نے یہی کہا ہے۔([125])۔

بعض اہل علم نے کہا حدیث جابر رضی اللہ عنہ دو باتوں کی بنا پر استدلال کے قابل نہیں ہے، جو یہ ہیں:

---

[120] - أنظر: " إرشاد الفقيه ": 120/2

[121] - المغني: 587/14

[122] - " المصنف ": 291/7، " السنن الكبرى ": 343/10، وإسناده صحيح، وقال الحافظ في " التلخيص ": 241/4، عن إسناد عبد الرزاق: وهذا الإسناد معدود في أصح الأسانيد.

[123] - أنظر: " مصنف عبد الرزاق ": 290/7- 292

[124] - " الفروع ": 132/5، " الاختيارات ": ص 200، " الإنصاف ": 395/7

[125] - " المغني ": 585/14، " نيل الأوطار ": 112/6

ABM Print Time

۱۔ حافظ بیھقی رحمہ اللہ نے کہا: ان احادیث میں کہیں بھی یہ نہیں ہے کہ اس عمل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واقف تھے اور آپ نے اس کا اقرار کیا ہے([126])۔ یہ بات محل نظر ہے جس کا ذکر ہو چکا ہے۔

۲۔ اس حدیث میں جابر رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا: "لا نری به بأسا" اس میں نون کو ثبوت ہے جو کہ جماعت پر دلالت کرتا ہے، اگر اس کی جگہ حرف یا ہوتی تو حدیث تقریری کے لئے دلیل ہوتی۔

انہوں نے کہا: رہی وہ روایت جس میں یہ بات کہی گئی ہے: "بعنا أمهات الأولاد على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم ، وأبي بكر، فلما كان عمر انتهينا" یہ نسخ کے لئے دلیل نہیں ہو سکتی ہے، اس لئے کہ نسخ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہی ہو سکتا ہے۔ اس کا معنی تو بس –واللہ اعلم- یہی ہے کہ یہ بیع مباح تھی، بالآخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری زندگی میں ممنوع ہو گئی۔ لیکن جو اس کو فروخت کرتے تھے انہیں اس کا علم نہ ہو سکا۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اس کے کاروبار سے متعلق اپنی مدت خلافت کم ہونے، اور اہم امور کی مشاغل کی وجہ سے آگاہی نہ ہو سکی۔ البتہ جب عہد فاروقی میں یہ بات ظاہر ہوئی تو آپ نے اس سے منع فرمایا، جس سے اس بیع سے متعلق نہی اور ممانعت بھی ظاہر ہوئی۔([127])۔

اس بیع سے متعلق جواز کا قول عمل صحابہ ہونے کی وجہ سے اپنے اندر وزن رکھتا ہے۔ اس عمل سے متعلق اللہ تعالی کی طرف کسی طرح کی نہی اور ممانعت کا نہ ہونا گویا اللہ تعالی کی تقریر سے انہوں نے استدلال کیا ہے۔ امام شوکانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: احوط یہی ہے کہ اس بیع سے اجتناب کیا جائے، اس لئے کہ اس سب سے کم معاملہ یہ ہے کہ یہ مشتبہ امور میں سے ہے۔ اہل ایمان کو اس پر توقف کرنا چاہئے جیسے کہ صادق ومصدوق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ واللہ اعلم([128])۔

---

[126] - السنن الكبرى: 347/10

[127] - أنظر: " مختصر سنن أبي داؤد " للمنذري، " معالم السنن ": 414/5

[128] - " نيل الأوطار ": 112/6

زائد پانی بیچنے اور نر کی جفتی کی اجرت کے ممانعت کا بیان

وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اَللَّهِ رَضِيَ اَللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: نَهَى اَلنَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عَنْ بَيْعِ فَضْلِ اَلْمَاءِ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.
وَزَادَ فِي رِوَايَةٍ: وَعَنْ بَيْعِ ضِرَابِ اَلْجَمَلِ.

جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زائد پانی بیچنے سے منع فرمایا ہے۔ اس کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ ایک روایت میں یہ زائد لفظ ہے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ کی جفتی سے منع فرمایا ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اَللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: نَهَى رَسُولُ اَللَّهِ صلى الله عليه وسلم عَنْ عَسْبِ اَلْفَحْلِ. رَوَاهُ اَلْبُخَارِيُّ.

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نر کی جفتی کی اجرت سے منع فرمایا ہے۔ اس کو امام بخاری نے روایت کیا ہے۔

ا۔ مذکورہ دونوں حدیثوں کی تخریج:

حدیث جابر رضی اللہ عنہ کو امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح کی کتاب " المساقاة "میں باب" تحريم بيع فضل الماء الذي يكون بالفلاة ويحتاج إليه لرعي الكلأ، وتحريم منع بذله وتحريم بيع ضراب الفحل "(1565) کے تحت از طریق یحیی بن سعید، از ابن جریج، از ابو الزبیر، از جابر رضی اللہ عنہ لائے ہیں۔

اسی طرح آپ نے اس حدیث کو بطریق روح بن عبادہ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ابن جریج نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ابو الزبیر نے خبر دی ہے، اور وہ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے سنا کہ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اونٹ کی جفتی کرانے۔ فاضل پانی فروخت کرنے اور زمین کاشت کاری کے لئے دینے سے منع فرمایا ہے۔

رہی حدیث ابن عمر تو اس کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح کی کتاب " الإجارة "باب" عسب الفحل "(2284) کے تحت بطریق علی بن الحکم، از نافع، از ابن عمر رضی اللہ عنہما لائے ہیں۔([129])۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے حدیث جابر کے بجائے حدیث ابن عمر لائے ہیں، ممکن ہے اس کی وجہ حدیث ابن عمر کا حدیث جابر کے مقابل عام ہونا ہو اس لئے کہ حدیث جابر میں صرف اونٹ کا ذکر ہے جب کہ حدیث ابن عمر میں اونٹ سمیت ہر نر کی جفتی کا ذکر کو شامل ہے۔

[129] - هذا الحديث أخرجه الحاكم في " المستدرك ": 42/2، وقد وهم في ذلك، أنظر : " فتح الباري ": 462/4

۲۔ الفاظ کی شرح:

فَضْلِ الْمَاءِ: اس سے مراد وہ پانی ہے جو پانی کے مالک کی ضروریات اور اس کو کفایت کر جانے کے بعد بچنے والا زائد پانی ہے۔ یہ وہ پانی ہے جو جنگلات میں ہوتا ہے، اور سبزہ اگانے کے لئے اس کی ضرورت رہتی ہے۔

ضِرَابِ الْجَمَلِ: پہلا کلمہ ضاد کے زیر سے ہے۔ معنی ہے اونٹ کا اس کے مادہ سے جفتی کرنا۔

عَسْبِ الْفَحْلِ: العسب سین پر زبر اور عین پر جزم۔ کسی بھی نر کا پانی جو اسی جنس کی مونث میں داخل کیا جاتا ہے۔ یہ بھی ایک رائے ہے کہ اس سے مراد جفتی کرنے کا طریقہ ہے۔ یعنی اس کا جفتی کرنا۔ زبان دان کہتے ہیں: عسب الفحل الناقةَ عسباً باب ضرب یضرب سے، یعنی جفتی کرنے کا طریقہ۔([130])۔

دوسرا قول: عسب الفحل سے مراد جفتی کرانے کی اجرت۔ کہا جاتا ہے: عسبت الرجل عسباً: یعنی میں نے اس کو جفتی کرانے کی اجرت دی۔ زیادہ درست یہی ہے، ابو عبید نے اسی کو اختیار کیا ہے([131])۔ اس لئے کہ جفتی کروانا ممنوع نہیں ہے، بلکہ بندوں کی مصالح کی خاطر وہ مطلوب ہے۔ ورنہ نسل منقطع ہو جائے گی، تو یہاں مقصود اس جفتی کروانے کی اجرت سے ممانعت ہے۔

الفحل: حیوانات میں سے ہر نر کو کہتے ہیں۔ چاہے وہ اونٹ ہو، مینڈھے ہو، یا گھوڑے وغیرہ ہوں۔

تیسری بات: حدیث مبارکہ فاضل پانی کی بیع کے ممنوع ہونے پر دلیل ہے۔ اسی لئے زائد پانی کو محتاجوں کے لئے چھوڑ دینا واجب ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جنگلات میں پانی کے جو پنگھٹ ہوتے ہیں، اسی طرح کنویں، اور بہتے چشمے وغیرہ ہیں جو کہ انسان کی ضروریات سے زائد ہوتی ہیں اور اس کے خرچ میں کوئی پریشانی نہیں رہتی ہے۔ ہاں جس پانی کہ ضرورت ہو اس کے منع کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

البتہ وہ پانی جسے کسی نے ٹینک، مشکیزہ، اور برتن وغیرہ میں جمع کر کے محفوظ رکھا ہو تو اس کے بیع میں کوئی حرج نہیں ہے اس لئے کہ وہ اس کی ملکیت میں سے ہے۔ اس پانی سے اس کی اجازت کے بغیر لینا جائز نہیں ہے۔ جس طرح لکڑہارا لکڑیاں کاٹ کر رکھے تو اس کی اجازت کے بغیر اس سے نہیں لیا جاسکتا ہے اسی پر قیاس کرتے ہوئے اس کا بھی یہی حکم ہے۔ اس کے مالک پر سوائے کسی پریشان حال کے کسی

---

[130] - " المصباح المنير ": ص 408، وانظر: " اللسان ": 597/1

[131] - غريب الحديث: 97/1

اور پر خرچ کرنا واجب نہیں ہے۔ مکارم اخلاق اور عمدہ اعمال میں سے یہ بھی ہے کہ اس طرح کے امور میں نرمی سے کام لیا جائے، اسی طرح کنویں اور پانی کے چشمے سے لوگوں کو پانی فراہم کرنا جس میں کسی طرح کا کوئی ضرر نہ ہو۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے آپ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «لَا تَمْنَعُوا فَضْلَ الْمَاءِ لِتَمْنَعُوا بِهِ فَضْلَ الْكَلَإِ»[132]۔ سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ نے اس حدیث کی تفسیر میں کہا: آپ کے کنویں کے اطراف میں گھاس ہو تو آپ کا زائد پانی کا روکنا گویا کہ اس سے گھاس کو ختم کر دینا ہے[133]۔ یہاں شرعا منع کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اہل عرب زائد پانی کو روک رکھتے تھے اس کا سبب بخیلی نہ تھی بلکہ سبب یہ تھا کہ زائد پانی کی وجہ سے وہاں گھاس اگتی تھی جس سے جانور چرنے کے لئے آجایا کرتے تھے۔ تو پانی روک کر قریبی طور پر کسی کے آنے کو روک دیتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا۔ اس لئے کہ زائد پانی سے منع کرنا گویا زائد گھاس کے اگنے پر روک لگانا ہے۔ اس طرح یہ جائز نہیں ہے۔

اسی طرح پانی کی بیع کی ممانعت پر یہ حدیث بھی موید ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " الناس شركاء في ثلاث: في الكلأ، والماء، والنار " اس پر مزید گفتگو ان شاء اللہ باب" إحياء الموات " کی بحث میں کی جائے گی۔

چوتھی بات: حدیث مذکور اس بات پر بھی دلیل ہے کہ نر جانور کو بطور جفتی کے اس کی اجرت لینا ممنوع ہے۔ اس کا مفت کروانا واجب ہے ۔ یہ جمہور کا مسلک ہے۔ اس لئے کہ لوگوں کے ساتھ حسن تعامل ضروری ہے اور اس کا اللہ کی رضا کے خاطر خرچ کرنا ہے، اس میں دنیوی غرض کچھ نہیں ہونا چاہئے۔

اس کے منع کا سبب فقہاء نے یہ بتلایا ہے کہ اس کا عقد معدوم ہے، اور اس پر کسی کا کنٹرول نہیں ہے اس کا مالک اس سے عاجز ہے۔ ابن القیم رحمہ اللہ کہتے ہیں: نر کی جفتی کا بطور اجرت کچھ حاصل کرنے کی ممانعت دراصل شریعت کی محاسن اور اس کے کمال پر دلیل ہے۔ اس لئے کہ نر کی جفتی پر قیمت طئے کرنا عقلاء کے نزدیک نہایت قبیح اور بدترین عقد ہے[134]۔ واللہ تعالی اعلم

---

[132] - أخرجه البخاري: 2353، ومسلم: 1566

[133] - " المسند ": 276/12

[134] - " بدائع الصنائع ": 139/5، " الخرشي على خليل ": 71/5، " مغني المحتاج ": 30/5، " المغني ": 302/6، " زاد المعاد ": 597/5

ممنوع خرید و فروخت کا بیان

عن ابن عمر رضي الله عنهما، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم نَهَى عَنْ بَيْعِ حَبَلِ الْحَبَلَةِ، وَكَانَ بَيْعاً يَتَبَايَعُهُ أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ: كَانَ الرَّجُلُ يَبْتَاعُ الْجَزُورَ إِلَى أَنْ تُنْتَجَ النَّاقَةُ، ثُمَّ تُنْتَجُ الَّتِي فِي بَطْنِهَا. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ.

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاملہ کی حمل کی بیع سے منع فرمایا ہے اور یہ بیع دور جاہلیت میں تھی۔ آدمی اس شرط پر اونٹنی خرید تا تھا کہ (اس کی قیمت اس وقت دے گا) جب اونٹنی بچہ جنے گی، پھر وہ بچہ جو اونٹنی کے پیٹ میں ہے وہ (آگے ایک بچہ) جنے گا۔ بخاری، مسلم۔ یہ لفظ بخاری کے ہیں۔

۱۔ راوی حدیث کا تعارف:

اس حدیث کو امام بخاری نے اپنی صحیح کی کتاب "البیوع" باب "بیع الغرر وحبل الحبلة" (2143) کے تحت بطریق مالک، از نافع، از ابن عمر رضی اللہ عنہما اسی سیاق سے لائے ہیں۔ اور امام مسلم (1514) از طریق لیث، از نافع، از عبد اللہ، اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے حاملہ کی حمل کی بیع سے منع فرمایا ہے۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے اسی طرح عبید اللہ کی طریق سے کہ انہوں نے کہا: ہمیں نافع نے خبر دی، اور وہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہ انہوں نے کہا: دور جاہلیت میں لوگ کی " حبل الحبلة " مدت کے وعدے پر اونٹوں کی خرید و فروخت کرتے تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمادیا۔ حبل الحبلة: کا مطلب یہ ہے کہ اونٹنی جنم دینے کے بعد وہ بڑا ہو کر پھر وہ جنم دے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا۔

۲۔ غریب الفاظ کی شرح:

حَبَلِ الْحَبَلَةِ: حاء اور باء دونوں کے زبر کے ساتھ۔ الحبل مصدر ہے، یہاں مراد ماں کے پیٹ میں موجود وہ بچہ ہے جو عقد کے وقت ہوتا ہے۔ اور الحبلة، حابل کی جمع ہے۔ جیسے الکتبة جمع ہے کاتب کی۔ اس کا مطلب جننا ہے، اور الھاء: مبالغہ کا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ مونث کی طرف اشارہ ہے۔ اس کا اکثر استعمال تو عورتوں کے لئے خاص ہے۔ یہ لفظ عورتوں اور جانوروں میں ہر مادہ کے لئے ہے۔ اور حبل الحبلة سے مراد: جنے ہوئے جانور کا جننا۔

ABM PrintTime

حدیث میں اس کی تفسیر یہ کی گئی ہے کہ یہ جاہلیت کی ایک بیع تھی، اس کا معنی ہے: کوئی اونٹنی خریدے اور اس کی قیمت کو اس وقت تک کے لئے موخر کر دے جب تک کہ اونٹنی نہ جنے، پھر جس کو جنا گیا ہے وہ حاملہ ہو جائے۔ یہ تفسیر ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے جیسے کہ مذکورہ صحیح مسلم کی روایت میں واضح طور پر موجود ہے۔

دوسری تفسیر: حاملہ اونٹنی کی بیع کرتے ہوئے اس کی قیمت کو موخر کر دینا کہ جب وہ بچہ جن دے، پھر وہ بچہ حاملہ ہو کر وہ جنے۔ یہ تفسیر بھی ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے جیسے کہ حدیث الباب میں بروایت بخاری موجود ہے۔

تیسری تفسیر: حاملہ کی بیع کی اس کی قیمت صرف اس حد تک تاخیر کی جائے کہ وہ حاملہ اپنے پیٹ میں موجود بچے کو جنم دے۔ یہ تفسیر نافع رحمہ اللہ کی ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اخراج کیا ہے([135])۔

یہ تینوں تفاسیر اس بیع کی تصویر کشی کر رہی ہیں کہ اس میں قیمت موخر ادا کی جاتی ہے، البتہ اس کی آخری مدت سے متعلق اختلاف ہے۔ نافع کی تفسیر کا نتیجہ یہ ہے کہ اونٹنی کا بس جن دینا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی تفسیر کا خلاصہ یہ ہے کہ اونٹنی کا جننے کے بعد جنا ہوا حامل ہو جائے۔ آپ ہی کی دوسری تفسیر میں یہ ہے کہ اونٹنی جننے کے بعد پھر اس کا بچہ جنے۔

چوتھی تفسیر: حاملہ اونٹنی میں موجود بچے کی اسی وقت میں جب کہ وہ پیٹ میں ہو فروخت کر دیا جائے۔ یہ تفسیر ابو عبیدہ معمر بن المثنی کی ہے اور آپ کے صاحب ابو عبید القاسم بن سلام اور دیگر اہل لغت کی طرف سے ہے([136])۔ یہ بیع دھوکے پر قائم ہے۔

بعض اہل علم نے کہا: ابن عمر رضی اللہ عنہما کی تفسیر مقدم ہے، اس لئے کہ وہی حدیث کے راوی ہیں۔ اور راوی اپنی روایت سے متعلق زیادہ باخبر رہتے ہیں۔ محقق اصولیین کا کہنا ہے کہ جب تک راوی کی تفسیر ظاہر کے خلاف نہ ہو وہی مقدم ہو گی۔ راجح یہ ہے کہ اس میں کوئی مانع نہیں ہے کہ بیک وقت ساری تفاسیر کو لیا جائے۔ اس لئے کہ کچھ تفسیر راوی حدیث کی طرف سے ہے کچھ لغت کے اعتبار سے ہے۔ لیکن چونکہ اس میں کوئی تعارض ہی نہیں ہے تو پھر ترجیح کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ واللہ اعلم

الْجَاهِلِيَّة: یہ اسم ہے جو قبل از اسلام عرب پر ان میں موجود شرک اور بتوں کی عبادت کی وجہ سے کہا جاتا ہے۔ یہ جہل سے مشتق ہے۔ ان میں اَغْلَب طور پر جہالت ہونے کی وجہ سے کہا گیا ہے۔

---

[135] - صحيح البخاري: 2256

[136] - " غريب الحديث ": لأبي عبيد (263/1)، " تهذيب الأسماء واللغات ":(61/3- 62).

يبتَاعَ الجَزُورَ: یعنی اس کو خریدتے تھے۔ اور الجزور: جیم پر زبر ہے۔ بوجھ اٹھائے اونٹ نر ہو کہ مادہ۔ یہاں جزور کی تخصیص شاید اس لئے کہ دور جاہلیت میں اسے خاص کر دئے تھے۔ یا بس بطور نمونہ ان کا ذکر کر دیا گیا ہے۔ ایسی صورت میں جزور یا دیگر حیوانات میں کوئی فرق نہیں ہو گا۔

تُنْتَجَ النَّاقَةُ: یعنی وہ جنتی ہے۔ تُنْتَجُ: پہلے تاء پر پیش، اور دوسرے تاء پر زبر۔ افعال ملازمہ میں سے ہے جو فقط مجہول کے لئے ہوتے ہیں ۔کہاجاتاہے: نُتجت الناقة: ہمیشہ مجہول ہی ہوتا ہے۔ تُنْتَجُ: اس کا معنی ہے کہ وہ بچہ جنے گی۔ فعل کے بعد اس کو جو اعراب دیاجائے گا وہ فاعل کے طور پر ہو گا نائب فاعل کی وجہ سے نہیں۔ یہ افعال ملازمہ جو مبنی بر مجہول ہوتے ہیں اس کا قاعدہ ہے۔

ثُمَّ تُنْتَجُ الَّتِي فِي بطْنِها: یعنی وہ اونٹنی جنے گی جو عقد کے وقت اپنے ماں کے پیٹ میں موجود تھی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ مولود اونٹنی اپنی ولادت کے بعد ایک مرحلہ میں بڑی ہو گی پھر وہ جنے گی۔

تیسری بات: حدیث مبارکہ حبل الحبلہ ک بیع کی ممانعت پر دلیل ہے۔ یہ نہی تحریم پر دال ہے جس سے اس عقد کا فاسد ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اس سے قبل اس کی تینوں تفاسیر بیان کی جاچکی ہیں جس میں قیمت کی ادائیگی کو موخر کیا جاتا ہے جو کہ امر مجہول ہے۔ اس لئے کہ قیمت کی ادائیگی کا وقت معلوم نہیں ہے۔ اس لئے کہ قیمت کا ادائیگی کا تاخیر ہونے کی مدت کم ہو کی زیادہ لیکن معلوم ہونی چاہئے۔ اللہ تعالی نے کہا: ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى فَاكْتُبُوهُ﴾(البقرة: 282)۔ آیت کریمہ ادائیگیءوقت کے معلوم ہونے کو مشروط کرتی ہے۔ اور وقت کا مجہول ہونا بائع اور مشتری کے مابین نزاع اور جھگڑے کی جنم دیتاہے جس سے اسلام کبھی راضی نہیں ہوتا۔

رہی چوتھی تفسیر جس میں کہا گیاہے کہ اونٹنی میں موجود بچے کی اسی حالت میں خرید و فروخت تو یہ بیع جہالت پر مبنی ہے۔ اس لئے کہ ایسی صورت میں اس کی نوع کا علم نہیں ہوتا ہے۔ وہ مذکر ہے یا مونث؟ ایک ہے یا دو؟ زندہ ہو گا یا مردہ؟ ان سب کے علاوہ اس میں ادائیگی وقت کا بھی علم نہیں ہے۔ اس میں کب تک کی تاخیر ہے معلوم نہیں، مدت کم ہو گی یا زیادہ؟ اس میں اختلاف ہو سکتاہے لیکن اصل نہیں معلوم ہو گا۔ تو چونکہ اس میں لوگوں کا باطل طریقے سے مال کھانا لازم آتا ہے تو اسلام نے اس کو باطل قرار دیاہے۔ اس جہالت کے ساتھ اس میں نزاع اور جھگڑے بھی جڑے ہوئے ہیں۔

خرید و فروخت کے یہ سب طریقے دور جاہلیت کے تساہل پر دلالت کرتی ہیں، اپنی معاشی زندگی سے متعلق ان کی بے اعتنائی پر بھی دلالت کرتی ہیں۔ اس میں راز یہ ہے کہ –واللہ اعلم– ان کے پاس اس کی مبیع کی کوئی اہمیت ہی نہ تھی کہ جس کی انہیں غیر معمولی تاخیر کی وجہ سے

ABM Print Time

بھی کوئی پرواہ نہیں تھی۔ اس لئے کہ مبیع یا تو بہت بڑی اونٹنی ہوتی یا اس کے برابر کی ہوتی جس سے انہیں کوئی پرواہ نہ ہوتی کہ اس کی قیمت تاخیر سے مل رہی ہے یا پھر وہ نہ بھی ملے۔ واللہ تعالی اعلم

ABM PrintTime

ولاء کی بیع اوراس کے ہبہ کی ممانعت کا بیان

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم، نَهَى عَنْ بَيْعِ الْوَلَاءِ، وَعَنْ هِبَتِهِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ولاء کی بیع اوراسے ہبہ کرنے سے منع فرمایاہے۔ بخاری و مسلم۔

ا۔ حدیث کی تخریج:

اس کو امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب "العتق" باب "بيع الولاء وهبته" (2535) کے تحت امام شعبہ کی طریق سے لائے ہیں، انہوں نے کہا: مجھے عبداللہ بن دینار نے خبر دی اورانہوں نے کہامیں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو کہتے ہوئے سنا۔۔۔۔

آپ نے کتاب "الفرائض" باب "إثم من تبرأ من مواليه" (6756) کے تحت بھی از طریق سفیان، اور وہ عبداللہ بن دینار سے روایت کرتے ہیں۔ امام مسلم نے (1506) بطریق سلیمان بن بلال، از عبداللہ بن دینار لائے ہیں۔ اس کے سیاق میں امام مسلم نے کہا: اس حدیث کے بیان کرنے میں سبھی حضرات عبداللہ بن دینار کے محتاج ہیں۔ یعنی یہ حدیث انہیں سے مشہور ہے۔ اسی لئے امام ترمذی رحمہ اللہ نے کہا: آپ کا مقصد یہ ہے کہ یہ حدیث سوائے عبداللہ بن دینار کی طریق کے کسی اور سند سے صحیح نہیں ہے([137])۔ اس لئے کہ اس حدیث کے اور بھی طرق ہیں لیکن سب ضعاف کی قبیل سے ہیں۔

دوسری بات: حدیث بالا بیع العتق کی ممانعت پر دلیل ہے۔ اس کا مطلب مالک کا کسی دوسرے شخص کے لئے ایک قیمت پر تنازلی اختیار کرلینا۔ اور ہبہ کی ممانعت یہ ہے: کسی شخص کے لئے بغیر قیمت کے تنازلی اختیار کرلینا۔ اس لئے کہ ولاء عصبہ ہے جو آزادی کے سبب انسان کو حاصل ہوتا ہے، یہ نہ بیچا جائے گا اور نہ ہبہ کیا جائے گا، کیونکہ یہ ایک معنوی امر ہے۔ جیسے نسب کسی اور کی طرف منتقل نہیں ہوتا۔ جیسے والدین کی طرف نسبت اور آپسی نسبی اخوت ہے۔ اگر آپ کہیں: میں میرے بھائی کی قرابت آپ کو فروخت کردیتاہوں یا اس کو ہبہ کردیتاہوں تو وہ اس کا بھائی نہیں ہوجائے گا۔ بلکہ حکم باقی رہے گا اور وہ ان کی اخوت ہے۔ اسی طرح آزادی سے متعلق ولاء بھی ہے۔

دور جاہلیت میں ولاء بیع کے ذریعے منتقل ہوجاتی تھی، جس کو شریعت نے منع کردیا۔ یہ جمہور اہل علم کا موقف ہے۔ اس تعلق سے مزید کلام ان شاءاللہ کتاب کی شرح میں ہوگا۔

---

[137] - جامع الترمذي: 518/2

دھوکہ دہی کی بیع ممنوع ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم عَنْ بَيْعِ الْحَصَاةِ، وَعَنْ بَيْعِ الْغَرَرِ. رواه مسلم.

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکر پھینک کر بیع کرنے اور دھوکے کی بیع سے منع فرمایا ہے۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

۱۔ حدیث کی تخریج:

اس حدیث کو امام مسلم نے کتاب "البیوع" کے اوائل میں باب "بطلان بيع الحصاة والبيع الذي فيه غرر" (1513) کے تحت بطریق ابو الزناد، از اعرج، از ابوہریرہ رضی اللہ عنہ لائے ہیں۔

۲۔ غریب الفاظ کی شرح:

بَيْعِ الْحَصَاةِ: یہ ترکیب مصدر کا اپنی نوع کی طرف مضاف ہونا ہے۔ جیسے۔ مصدر کا اس کے مفعول کی طرف مضاف ہونا نہیں ہے، جیسے :۔ اس لئے کہ بیع مرد اور شراب پر واقع ہو رہی ہے۔ یہاں یہ مقصود نہیں ہے کہ بیع کنکر پر واقع ہو رہی ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیع سے منع فرمایا جس میں کنکر استعمال کی جاتی ہیں۔ اس کی کئی صورتیں ہیں جسے ابن القیم[138]۔ رحمہ اللہ نے ذکر فرمائے ہیں، جن میں سے کچھ یہ ہیں:

۱۔ بائع کا خریدار سے یہ کہنا: اگر آپ کنکر پھینک دیں تو میرے اور آپ کے درمیان بیع واقع ہو جائے گی، یہ تفسیر محدثین کی طرف سے ہے ، امام ترمذی نے اس کا ذکر کیا ہے اور کہا کہ: یہ بیع منابذہ کی بیع سے مشابہ ہے، جو کہ دور جاہلیت کی ایک بیع ہے۔([139])۔

۲۔ اس کی ایک شکل یہ ہے کہ بائع خریدار سے کہے: اس کنکر کو پھینکو، اور جس کپڑے پر وہ جا کر گرے وہ آپ کے لئے اتنی قیمت پر ہے۔

۳۔ اپنی زمین میں سے اتنا فروخت کرنا جہاں تک کہ کنکر جا گرتی ہے۔

---

[138] - أنظر: زاد المعاد: 817/5

[139] - جامع الترمذي: 513/2

ABM PrintTime

۴۔ اس حالت میں خریدار کو سامان فروخت کرے کہ اس کے ہتھیلی میں کنکریاں ہوں، اور کہے کہ ہر کنکر کے بدلے مجھے درہم چاہئے۔

۵۔ بکریوں کے بھیڑ کے ایک حصے کو الگ کر دے اور کہے کہ کنکر جس پر جا لگے وہ تیرے لئے اتنی قیمت پر ہے۔ اس بیع کی آخری کی چار صورتیں مذاہب اربعہ کے فقہاء کی طرف سے بیان کر دہ ہیں۔

بَيْعِ الْغَرَرِ: یہ پچھلے عام ممنوع بیع سے خاص طور پر بیان کی گئی ہے، یعنی عطف العام علی الخاص ہے۔ اس لئے کہ کنکر والی بیع بھی غرر اور دھوکے کی بیع ہے۔ اس میں جو اضافت ہے وہ موصوف کا اس کی صفت کی طرف مضاف ہونا ہے، یا مصدر کا اس کی نوع کی طرف مضاف ہونا ہے۔ اس میں فائدہ یہ ہے کہ ہر طرح کی دھوکے والی بیع کو یہ شامل ہوتا ہے۔ جس کا ذکر آگے آئے گا:

الْغَرر: دونوں پر زبر ہے، جس کا معنی خطر نا کی([140])۔ ہے۔ اور فقہاء کی اصطلاح میں: ہر وہ معاملہ جس کا انجام مخفی ہو۔ اس کا معنی یہ ہے کہ ایسی بیع جو مجہول ہو جس کے اوصاف کا پتہ نہ چلے اور یہ بھی نہ معلوم ہو کہ وہ حاصل ہو گا یا نہیں؟ امام خطابی رحمہ اللہ کہتے ہیں: غرر اصل میں یہ ہے کہ کسی شیء سے متعلق جانکاری مبہم ہو، اس کی باطنی اشیاء مخفی ہو۔ یہ معنی دراصل اس جملے سے ماخوذ ہے: طويت الثوب على غره. یعنی اس کے پہلے پرے سے۔ ہر وہ بیع جس کا مقصود ہی مجہول ہو اور غیر معلوم ہو، اسی طرح اس پر کنٹرول کرنے سے عاجز ہو جائے تو وہ غرر کہلاتی ہے۔([141])۔

غرر کبھی اصل مبیع پر ہوتا ہے اور کبھی قیمت پر تو کبھی اس کا ادائیگی کے وقت سے متعلق بھی ہوتا ہے۔ اعیان جیسے کنکر اور جمل شارد وغیرہ کی بیع ہے۔ اسی طرح کسی ایسی شیء کی بیع جس پر ملکیت مکمل نہ ہو۔ غرر کے دیگر مسائل کی شرح میں ان شاء اللہ آگے اور مثالیں آئیں گی۔ قیمت کا مجہول ہونا جیسے: کسی سامان کو اس کی قیمت یا اس کے نمبر سے بیچنا جس کا خریدار کو معاہدہ کے وقت علم نہ ہو۔ اسی طرح قیمت کا منقطع ہو جانا، یا اس میں سے جو دیا گیا ہے وہ منقطع ہو جانا وغیرہ۔ وقت کا مجہول ہونا اس طرح سے کہ اس وقت تک جب تک کہ میں بیچ نہ دوں یا جب تک مجھ پر آسانی نہ ہو جائے۔

تیسری بات: حدیث مذکور کنکر کی بیع کے ممنوع اور اس عقد کے فاسد ہونے پر دلیل ہے۔ حدیث میں نہی کا یہی تقاضا ہے۔ اس حدیث کی وجہ سے فقہاء نے اس پر عمل کو ضروری قرار دیا ہے، لیکن اس کی تفسیر میں اختلاف کئے ہیں جیسے کہ گذر چکا ہے۔ یہ بیع دور جاہلیت کی ان تجارتوں میں سے ہے جسے اسلام نے اس میں موجود دھوکہ اور اس کے نامعلوم ہونے کی وجہ سے منع کیا ہے۔

---

[140] - الصحاح: 768/2

[141] - معالم السنن: 672/5

چوتھی بات: حدیث بالا دھوکہ کی تجارت کے حرام ہونے اور اس عقد کے فاسد ہونے پر بھی دلیل ہے۔ دھوکہ چاہے عقد میں ہو، قیمت میں ہو یا پھر وقت سے متعلق ہو۔ اس کے تحت کئی انواع آتے ہیں۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: دھوکہ کی بیع سے روک لگانا امور تجارت پر مبنی کتاب سے ایک عظیم اصول کا مہیا ہونا ہے۔ اسی لئے امام مسلم رحمہ اللہ نے اس کو مقدم رکھا ہے، اس سے مستفادات کی تعداد حد احصا سے خارج ہیں۔([142])۔

اس بیع سے روکنے میں حکمت یہ ہے کہ اس سے لوگوں کے مال کو ضائع ہونے سے بچانا مقصود ہے۔ اس طرز کی بیعت کا مطلب ہی یہ ہے کہ اس سے لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھانا لازم آتا ہے۔ اس پر روک لگانے سے لڑائی جھگڑے پر بھی روک لگتی ہے۔ اس لئے کہ دھوکہ کی بیع میں بالآخر لڑائی ہوتی ہی ہے۔

پانچویں بات: یہاں دھوکہ سے مراد وہ دھوکہ جو معاملات میں بہت زیادہ اور اغلب طور سے دھوکہ ہو، یہاں تک کہ اس کو غرر سے متصف کیا جاسکے۔ اس کے ممنوع ہونے میں کسی طرح کا اختلاف نہیں ہے۔

رہا چھوٹا موٹا دھوکہ، جسے نظر انداز کیا جاسکتا ہے، اور جس سے بچنا مشکل بھی ہے، تو ایسا دھوکہ عقد پر اثر نہیں ڈالے گا۔ اس لئے کہ کوئی عقد اس طرح کہ دھوکہ سے خالی نہیں ہے۔ جیسے کسی گھر کی خریداری کرنا جب کہ اس کی فاونڈیشن سے وہ واقف نہیں رہتا، کار کی خریداری اس کی ظاہری چمک دمک اور اس کی ظاہری حرکت کو دیکھ کر کرنا، اس بکری کی خریداری جس میں دودھ ہو، اس طرح کی دیگر چیزیں جو بطور تابع کے صحیح ہیں لیکن انہیں انفرادی طور سے لیں گے صحیح نہ ہوگی۔ اسی طرح وہ سارے دھوکے جس سے بچنے نہایت مشکل ہو، اسی طرح زمین میں چھپے اشیاء کی خرید و فروخت، جیسے گاجر، مولی اور پیاز وغیرہ ہیں۔

اور فقہاء کے مابین جو اختلاف واقع ہوا ہے وہ دھوکہ کی مقدار سے متعلق ہے۔ جنہوں نے کچھ معمولی دھوکہ کو روا رکھا ان کے ہاں بیع صحیح ہے، اور جنہوں نے اسے زیادہ سمجھا اس کو باطل قرار دیا۔ واللہ تعالی اعلم۔

---

[142] - شرح صحیح مسلم: 411/9

ABM PrintTime

اشیائے خوردونوش کی فروخت سے قبل اس پر قبضہ ضروری ہے

عَنْ أَبِي هرِيرَةَ رضي الله عنه قَالَ: أَنَّ رَسُولَ اَللَّه صلى الله عليه وسلم قَالَ: مَنِ اشْتَرَى طَعَاماً فَلَا يَبِعْهُ حَتَّى يَكْتَالَه. رواه مسلم.

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے غلہ خریدا وہ جب تک اسے ماپ نہ لے، آگے فروخت نہ کرے۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

۱۔ راوی حدیث کی تخریج:

اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے کتاب "البیوع" میں باب "بطلان بیع المبیع قبل القبض" (1528) کے تحت از طریق ضحاک بن عثمان، از بکیر بن عبد اللہ الاشجع، از سلیمان بن یسار، از ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، مرفوعا لائے ہیں۔

۲۔ غریب الفاظ کی شرح:

طَعاماً: لغت میں اس کا اطلاق ہر کھانے والی شیء پر ہوتا ہے۔ خصوصا برّی مطعومات پر([143])۔ جیسے زکاۃ الفطر سے متعلق حدیث ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ میں ہے: "...صاعا من طعام، أو صاعا من تمر، أو صاعا من شعير..."([144])۔ اہل حجاز کے ہاں عرفا یہی مستعمل ہے۔ طعام کا اطلاق ہر کھانے اور پینے کی شیء پر ہوتا ہے، جیسے کہ اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿وَمَنْ لَمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي﴾([145])۔ (البقرة: 249)۔ ظاہر یہی ہے کہ لوگ جس چیز سے متعلق بھی مطعومات مانیں وہ اس میں داخل ہے۔ اس اعتبار سے ساری مطعومات اس میں داخل ہیں جیسے گیہوں، چاول، جو، کھجور اور مشروبات میں سے تیل اور شہد وغیرہ ہیں۔

فَلَا يَبِعْهُ: فعل مضارع مجزوم ہے، اس میں "لا" ناہیہ ہے۔

---

[143] - الصحاح: 1974/5

[144] - أخرجه البخاري: 1505، ومسلم: 985

[145] - معجم مقاييس اللغة: 411/3

ABM PrintTime

حتَّى يكْتَالَه:یعنی مکمل طور سے تولے، حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما میں ہے: «من ابتاع طعاما فلا يبعه حتى يستوفيه»۔اس کا ایک لفظ ہے: «حتى يقبضه»([146])۔کہا جاتا ہے: دینے والے تولا، اور لینے والے نے تول کر لیا۔اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿ويل للْمُطَفِّفِينَ* الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ* وَإِذَا كَالُوهُمْ أَوْ وَزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ*﴾(المطففين: 1-3)۔ حدیث میں مذکور لفظ «يكتال» کا ظاہر یہی ہے کہ یہ اس کے لئے خاص ہے جو تولنا چاہتا ہے، لیکن لفظ «يستوفيه» اور «يقبضه» سے عموم کا فائدہ ہوتا ہے جیسے کہ اس کا ذکر آئے گا۔اس لئے کہ الفاظ کا مجموعہ قبضہ اور شیء کے اپنی ملکیت پر دلالت کرتا ہے۔

تیسری بات: حدیث مبارکہ، مطعومات کو اپنے قبضہ میں لینے سے قبل فروخت کرنے کی ممانعت پر دلیل ہے۔اور تولنا کہہ کر قبضہ مراد لیا گیا ہے وہ اس طرح کہ اس کو تولنے اور پورا کرنے کی کوشش کرے۔اس لئے کہ تولی ہوئی چیز پر اس وقت تک قبضہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کو نہ تولا جائے۔یہاں نہی تحریم کے لئے ہے۔اس لئے کہ صیغہء نہی میں جب تک کہ کوئی قرینہ صارفہ نہ ہو تحریم اصل ہے۔ جب کہ یہاں کوئی قرینہ صارفہ نہیں ہے بلکہ کچھ روایات ہیں جو تحریم ہی پر دلالت کرتی ہیں۔عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا:" لقد رأيت الناس في عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم يبتاعون جزافا – يعني الطعام – يضربون أن يبيعوه في مكانهم حتى يؤوه إلى رحالهم "([147])۔مار کے ذریعے سزا دینا ایسے ہی امر کے لئے ہوتا ہے جو کہ حرام ہو۔

چوتھی بات: فقہاء نے اس حدیث کو مد نظر رکھتے ہوئے اس اصول کو ہر چیز پر منطبق کئے ہیں کہ کوئی بھی کسی شیء کو اس وقت تک فروخت نہ کرے جب تک کہ وہ اس پر پوری طرح قابض نہ ہو جائے، چاہے وہ تولنے، ناپنے، وزن معلوم کرنے کی اشیاء ہو یا پھر زراعت اور گنتی سے متعلق کوئی شیء ہو۔یہ عموم قیاس کی وجہ سے ہے۔کسی چیز کو اس وقت تک بیچنا صحیح نہیں ہے جب تک کہ وہ بائع سے مکمل طور ان میں سے کسی ایک طریق سے سامان پر قابض نہ ہو جائے۔اس میں سے ہر طریق اشیاء کے اندازہ کرنے کا معیار ہے۔تو یہ امر ضروری ہے کہ جو چیز بھی ہو اس کے مطابق اس کا اندازہ معلوم کر لیا جائے قبل اس کے کہ اس پر قبضہ ہو۔

---

[146] - أخرجه البخاري: 2126، ومسلم: 1526

[147] - أخرجه البخاري: 2137، ومسلم: 1527

ABM Print Time

پانچویں بات: حدیث مبارکہ ساری ہی مطعومات کی بیع کے ممنوع ہونے پر دلیل ہے جو کہ قبضہ سے قبل ہوتی ہیں، مطعومات کسی طرح کی بھی ہوں چاہے تول کر بیچی جائیں یا تخمینہ کر کے بیچی جائیں([148])۔ یہ جمہور کا مذہب ہے۔ ایک روایت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے ہے([149])۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ([150])۔ اور ابن القیم([151])۔ رحمہما اللہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

ان حضرات نے ان عمومی دلائل سے بھی استدلال کیا ہے جس میں قبضہ سے قبل مطلقا کسی شیء کو فروخت کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ اس عموم میں مطعومات بھی داخل ہیں۔ یہ مطعومات اندازہ کئے ہوئے ہوں یا اس کے بغیر ہوں۔ اس کا مزید ذکر آگے آئے گا ان شاء اللہ۔

دوسرا قول: اگر مطعومات تخمینا بیچی جائیں تو اس کے قبضے سے قبل فروخت کرنا جائز ہے۔ اور اگر ناپ تول سے بیچی جارہی ہیں تو اس پر قبضہ سے قبل بیچنا ممنوع ہے۔ امام احمد کا مشہور قول یہی ہے([152])۔ اس کے لئے دو دلیلیں پیش کی جاتی ہیں:

۱۔ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما میں ہے کہ آپ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «مَنِ اشْتَرَى طَعَامًا بِكَيْلٍ أَوْ وَزْنٍ ، فَلَا يَبِيعُهُ حَتَّى يَقْبِضَهُ»([153])۔ ان حضرات نے کہا: اس حدیث میں مطعومات کو تولنے اور وزن معلوم کرنے سے مختص کرنا اس امر پر دلیل ہے کہ اس کے بغیر ہو تو قبضہ جائز نہیں ہے۔

۲۔ قول ابن عمر رضی اللہ عنہما: ما أدركت الصفقة حيا مجموعا([154])۔ فهو من المبتاع.([155])۔

اس کا مفہوم یہ ہے کہ یہ خریدار کے مال سے ہے اور اسی کی ضمان میں ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قبضہ سے قبل تصرف جائز ہے۔ انہوں نے کہا کہ: خریدار کسی شیء کی خریداری میں عقد کر چکا ہے اور اس کا تعین ہو گیا ہے اب اس کی وقطعا حاجت نہیں رہ جاتی ہے کہ

---

[148] - الجزاف: جیم پر تینوں حرکتیں آسکتی ہیں۔ یعنی بغیر کسی تولے، وزن معلوم کرے اور گنے کے خریداری کر لینا۔

[149] - المغني: 186/6

[150] - الاختيارات: ص 126

[151] - أنظر: " تهذيب مختصر السنن ": 115/5، 131.

[152] - المغني: 185/6- 186

[153] - أخرجه أبو داؤد: 3495، والنسائي: 286/7، وأحمد: 139/10، من طرق عن المنذر بن عبيد، عن القاسم بن محمد، عن ابن عمر رضي الله عنهما، وهو حديث صحيح.

[154] - قوله: " مجموعا " صفة لقوله " حيا "، والمعنى: لم يتغير عن حالته. أنظر: " عمدة القاري ": 347/9

[155] - علقه البخاري: 351/4 (فتح الباري).

خرید اراس کو تولے یا وزن معلوم کرے اس لئے کہ وہ معنوی طور سے اس پر قبضہ کر چکا ہے۔ اب وہ اسی کی ضمان میں ہے چاہے وہ قابض ہو یا نہ ہو۔([156])۔

پہلا قول اس کے قوی ہونے کی وجہ سے راجح ہے۔ وہ یہ کہ قبضہ لازمی ہے چاہے مبیع تولی جائے یا تخمینہ کر کے دی جائے۔ اس کو راجح قرار دینے کی وجوہات یہ ہیں:

۱۔ قوی دلائل۔

۲۔ قبضہ سے قبل تلف ہونے کے مواقع ہیں، ایسی صورت میں یہ بائع کی ضمان میں ہو گا۔

۳۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی آمدنی سے منع فرمایا جس میں ضمانت نہ ہو۔ آگے بیان آئے گا۔

۴۔ یہ چیز چونکہ اب تک بھی بائع کی حفاظت میں ہے تو وہ خطرہ سے خالی نہیں ہے، اس لئے کہ وہ اس کے خرید و فروخت سے مکر سکتا ہے، اور اس بیع کے کسی دھوکے سے بچنے کے لئے کینسل کرنے پر حیلے اختیار کر سکتا ہے۔ یا خرید اراس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے یا اس طرح کی دیگر امور ہیں([157])۔ اسلام نے ایسی تعلیمات لائی ہیں جس سے ہر طرح کا بغض، نزاع اور جھگڑے کا سد ہو جائے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ دھوکے کی بیع اور مطعومات کی بیع جو قبضہ سے قبل فروخت کرنا ہے انہیں میں سے ہے۔

---

[156] - الفتاوی: 405/29

[157] - راجع: " تہذیب مختصر السنن ": 115/5

ایک بیع میں دو قیمتیں لگانے کا حکم!

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ: نَهَى رَسُولُ اَللَّهِ صلى الله عليه وسلم: عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ. رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَالنَّسَائِيُّ، وَصَحَّحَهُ اَلتِّرْمِذِيُّ، وَابْنُ حِبَّانَ.

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بیع میں دو بیعوں سے منع فرمایا ہے۔ اسے احمد اور نسائی نے روایت کیا ہے، اور ترمذی اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔

وَلِأَبِي دَاوُدَ: مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ فَلَهُ أَوْكَسُهُمَا، أَوْ اَلرِّبَا.

اور ابوداود میں ہے کہ: جس نے ایک بیع دو قیمتیں لگائیں اس کے لئے یا تو دونوں میں سے کم قیمت ہے یا سود ہو گا۔

ا۔ حدیث کی تخریج:

اس حدیث کو امام احمد (385/15)، نسائی (7/296، 295)، ترمذی (1231)، اور ابن حبان (347/11) نے کئی طرق سے بروایت محمد بن عمرو، از ابو سلمہ، از ابوہریرہ رضی اللہ عنہ لائے ہیں۔

یہ حسن درجہ کی سند ہے۔ اس لئے کہ یہ روایت از طریق محمد بن عمرو بن علقمہ بن وقاص اللیثی ہے، ان کے حفظ سے متعلق معمولی سا کلام ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے "التقریب" میں کہا: صدوق له أوهام۔ امام بخاری نے مقرونا روایت کئے ہیں، اور امام مسلم نے متابعات میں لائے ہیں۔

رہی ابوداود (3460) کی روایت تو اس کو بھی ابن حبان (348/11) نے روایت کیا ہے، اور امام حاکم (45/2) نے، اور ان کی طریق سے امام بیہقی (343/5) از طریق ابو بکر بن ابی شیبہ، از یحیی بن زکریا، از محمد بن عمرو، از ابو سلمہ اور وہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کئے ہیں۔

امام حاکم رحمہ اللہ نے کہا: صحيح على شرط مسلم. امام ذہبی نے سکوت کیا ہے، ابن حزم نے صحیح کہا ہے [158]۔ لیکن شیخ البانی رحمہ اللہ نے تعقب کرتے ہوئے کہا کہ صرف حسن ہے [159]۔ کیونکہ محمد بن عمرو سے متعلق بات گذر چکی ہے کہ ان کی حدیث صحیح کے

---

[158] - المحلى: 16/9

[159] - إرواء الغليل: 150/5

ABM PrintTime

درجہ تک نہیں پہنچتی ہے۔یہ بات محل نظر ہے،اس لئے کہ یحیی بن زکریا گرچہ کہ وہ ثقہ ہیں لیکن کئی ایک حفاظ کی مخالفت کئے ہیں، جیسے عبدہ بن سلمان، یحیی بن سعید، یزید بن ہارون، اور عبد الوہاب بن عطاء وغیرہ ہیں۔ان سبھوں نے حدیث کو پہلے والے الفاظ سے روایت کئے ہیں۔یہی محفوظ ہے،رہا دوسرا لفظ تو وہ شاذ ہے۔([160])۔

۲۔غریب الفاظ کی شرح:

بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ: یہ خرید فروخت کے وقت کی جانے والی تصفیق ہے۔مراد ایک عقد میں دو عقد کرنا ہے۔اس کی تفسیر میں اہل علم نے اختلاف کئے ہیں،وہ اقوال یہ ہیں:

پہلا قول: بائع کا یہ کہنا:میں اس کپڑے کو نقد ادس میں بیچوں گا اور اگر تاخیر سے ادائیگی ہو تو بیس میں بیچوں گا۔یہ حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ایک راوی سماک بن حرب کی تفسیر ہے۔حدیث میں ہے: «نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن صفقتين في صفقة واحدة([161])»([162])۔امام مالک کی "الموطأ" میں اور نسائی کی اپنی "السنن" میں یہی تفسیر ہے،امام شافعی سے بھی ایک تفسیر یہ بھی منقول ہے جیسا کہ ابن عبد البر([163])۔نے نقل کیا ہے،سفیان ثوری کی بھی یہی تفسیر ہے جسے عبد الرزاق([164])۔نے آپ سے نقل کئے ہیں۔

دوسرا قول: بائع یا مشتری دونوں میں سے کوئی بھی عقد پر ایک اور عقد کرلے۔جیسے بیع سلف،ایک مستقل ایک بیع،اجرت،مشارکت، اس طرح کی دیگر شکلیں۔جیسے بائع یہ کہے:یہ کار میں تمہیں اتنی قیمت پر بیچوں گا کہ اس کے بدلے تم اپنی کار مجھے اتنی قیمت پر بیچ دیں۔ یا تم اپنا گھر مجھے اجرت پر دے دوگے۔یہ حنابلہ کی تفسیر ہے۔ابن عبد البر نے اس تفسیر کو امام شافعی کی طرف بھی منسوب کئے ہیں([165])۔

---

[160] - أنظر: " مختصر سنن أبي داؤد " و " معالم السنن ": 5/97- 98، " عون المعبود ": 9/334، " تحفة الأحوذي ": 4/429، رسالة " الوهم والتخليط عند الألباني في البيع بالتقسيط " ص 52

[161] - بعض اہل علم نے کہا:دو بیع میں سے ایک بیع سے مراد دو صفقہ میں ایک صفقہ،ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے،راجح یہ ہے کہ صفقہ عام ہے۔واللہ اعلم

[162] - أخرجه أحمد: 6/324، والبزار: 5/384، من طريق شريك، عن سماك بن حرب، عن عبد الرحمن بن عبد الله بن مسعود، عنه به مرفوعا. وهذا سند ضعيف، وذكر في سياقه هذا التفسير.

[163] - " التمهيد ": 24/391

[164] - المصنف: 14632

[165] - " التمهيد ": 24/391، " المغني ": 6/332، " شرح الزركشي ": 3/659

تیسرا قول: بائع کا سامان ایک وقت تک کے لئے ۱۰۰ میں بیچے، پھر علی الفور اس سے کم قیمت پر حاصل کرلے۔ یہ عینہ کا مسئلہ ہے۔ جس کا ذکر آگے آئے گا۔ یہاں بیع عقد ۱۰۰ پر ہوئی ہے، جب کہ شراء ایک اور عقد میں ۸۰ پر ہو رہی ہے۔ یہ وہ تفسیر ہے جس پر سنن ابو داود کی روایت دلالت کرتی ہے۔ اس تفسیر کو شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ابن القیم رحمہما اللہ نے اختیار کیا ہے، اور آپ نے کہا: اس حدیث کا یہی معنی ہے اس کا اور کوئی معنی نہیں ہے۔([166])۔

فَلَهُ أَوكَسهما، أَو الرِبا: "لسان العرب" میں اس کا معنی نقص بتلایا گیا ہے۔ الوکس: معنی یہ ہے کہ: اگر کوئی شخص ایک لاکھ کی قیمت پر تاخیر سے ادائیگی کی صورت میں کسی فروخت کیا، پھر نقدا اس کو ۸۰ ہزار میں خرید لیا تو یہ معاملہ دو چیزوں سے خالی نہیں ہے۔ یا تو وہ اس معاملے کو جاری رکھے، ایسی صورت میں یہ سود ہو گا۔ کیونکہ حقیقت امر یہی ہے کہ اس نے اس کو ۱۰۰ میں سے ۸۰ میں دیا ہے۔ اور سامان کو سود کے حصول کے لئے واسطہ بنایا ہے۔ یا تو پھر وہ ۸۰ ہی لے اور سود سے اپنے دامن کو پاک رکھے تو یہی نقص ہے۔

تیسری بات: حدیث مبارکہ ای بیع میں دو بیع کرنے کی ممانعت پر دلیل ہے، یہ ممانعت اس عقد کے فاسد اور حرام ہونے کا متقاضی ہے۔ ان احادیث کی وجہ سے فقہاء نے اس بیع کے ممنوع ہونا قرار دیا ہے۔ لیکن تفسیر میں جیسا کہ گذر چکا ہے اختلاف کئے ہیں([167])۔

پہلی تفسیر کے مطابق اس میں دو بیع نہیں ہیں، یہ تو بس ایک ہی بیع ہے جس میں قیمت مبہم رکھی گئی ہے۔ ان دونوں کے جدا ہونے سے قبل تک اگر کسی ایک معاملہ میں متفق ہو جائیں تو معاملہ واضح ہو جائے گا۔ اور اگر اتفاق سے قبل ہی جدا ہو جائیں تو قیمت مبہم ہی رہے گی۔ اس اعتبار سے بیع کی شروط میں سے ایک شرط مخل ہونے کی وجہ سے یہ بیع درست نہ ہو گی۔ ہاں اگر ان کے مابین دو دن کے لئے اختیار ہے تو اس میں قیمت ابھی طئے نہیں ہوئی رہتی ہے۔ لیکن حدیث مذکور میں اس طرح کا معنی بہت دور کا معنی ہے۔ جیسا کہ گذر چکا ہے۔([168])۔

رہی دوسری تفسیر تو اس میں دو عقد ہیں، ظاہر میں کوئی شرعی حذر نہیں ہے، سوائے اس صورت میں کہ بیع کو مستقبل سے معلق رکھیں جس میں اس ہونے اور نہ ہونے دونوں روا ہو سکتے ہیں۔ اس میں ملکیت مستحکم نہیں رہتی ہے۔ شیخ عبد الرحمن سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حدیث مذکور اس شکل کو شامل نہیں ہے نہ معنا اور نہ ہی لفظا، اور اس میں کوئی شرعی حذر بھی نہیں ہے۔([169])۔ البتہ امام شوکانی رحمہ اللہ

---

[166] - الفتاوى الكبرى: 139/3، إعلام الموقعين: 161/3، تهذيب السنن: 106/5

[167] - راجع " التمهيد ": 390/24

[168] - المغني: 333/6، إعلام الموقعين: 162/3

[169] - الفتاوى السعدية: ص 281

نے اس تفسیر کو اس روایت: نَهَى عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ۔ کی بناپر صحیح قرار دیاہے۔ لیکن یہ تفسیر دوسری روایت کے موافق نہیں ہے ۔ اور یہ ابوداود کی روایت ہے، جو کہ گذر چکی ہے۔

رہی تیسری تفسیر تو وہ سب واضح ہے اور صحت کے زیادہ قریب ہے اور ایک ساتھ دونوں روایتوں پر منطبق ہوتی ہے۔ البتہ اس صورت سے منع کرنا سود سے بچانے کے لئے ہے۔ بات گذر چکی ہے۔

چوتھی بات: حدیث مبارکہ ان حیلوں کے ممنوع ہونے پر بھی دلیل ہے جو کہ ظاہر میں بیع ہوتی ہیں اور حقیقت میں سود۔

پانچویں بات: حدیث مبارکہ سد الذرائع اورالأمور بمقاصدها پر بھی دلیل ہے۔

ABM PrintTime

خرید وفروخت کے کچھ مسائل

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اَللَّهِ صلى الله عليه وسلم: لَا يَحِلُّ سَلَفٌ وَبَيْعٌ وَلَا شَرْطَانِ فِي بَيْعٍ، وَلَا رِبْحُ مَا لَمْ يُضْمَنْ، وَلَا بَيْعُ مَا لَيْسَ عِنْدَكَ. رَوَاهُ اَلْخَمْسَةُ، وَصَحَّحَهُ اَلتِّرْمِذِيُّ، وَابْنُ خُزَيْمَةَ، وَالْحَاكِمُ.

وَأَخْرَجَهُ فِي " عُلُومِ اَلْحَدِيثِ " مِنْ رِوَايَةِ أَبِي حَنِيفَةَ، عَنْ عَمْرٍو اَلْمَذْكُورِ بِلَفْظِ: " نَهَى عَنْ بَيْعٍ وَشَرْطٍ " وَمِنْ هَذَا اَلْوَجْهِ أَخْرَجَهُ اَلطَّبَرَانِيُّ فِي " اَلْأَوْسَطِ " وَهُوَ غَرِيبٌ.

عمروبن شعیب اپنے باپ اوروہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرض اور بیع حلال ہیں اور نہ ایک بیع میں دو شرطیں حلال ہیں اورہ قبضے میں لینے سے پہلے کسی چیز کا منافع جائز ہے اورنہ ہی اس چیز کو فروخت کرنا جائز ہے جو تیرے پاس نہ ہو۔اسے پانچوں نے روایت کیا ہے اور ترمذی، ابن خزیمہ اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔اور حاکم نے علوم الحدیث میں مذکور عمرو کے واسطے سے ابو حنیفہ کی روایت ان الفاظ میں نقل فرمائی ہے کہ بیع سے شرط کے ساتھ منع کیا ہے۔اور طبرانی اسے اوسط میں بھی روایت کیا ہے اور یہ غریب ہے۔

ا۔حدیث کی تخریج:

اس حدیث کو امام ابوداود رحمہ اللہ نے کتاب"البيوع" باب"في الرجل يبيع ما ليس عنده"(3504) کے تحت،امام ترمذی (1234)،نسائی(288/7)،ابن ماجہ(2188)،احمد(516/11،203،253)،حاکم(17/2) یہ سب مختلف طرق سے بروایت عمروبن شعیب، وہ اپنے والد سے اوروہ اپنے دادا سے لائے ہیں۔

یہ سند حسن ہے، مذکورہ سند سے متعلق اہل علم کے اقوال کی روشنی میں بطور راجح یہی بات ہے۔ امام ترمذی، ابن خزیمہ، حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔ امام ابن القیم رحمہ اللہ نے کہا: یہ حدیث معاملات کے اصول میں سے ایک اصل ہے، اور یہ حدیث سودی حیلے بہانے کے حرام ہونے پر نص ہے۔[170]۔

[170] - " تهذيب مختصر السنن ": 144/5

امام طبرانی نے "الأوسط "(184/5) میں، حاکم "معرفة علوم الحدیث "([171])۔ میں، اور ابن حزم "المحلی "(415،416/8) میں بطریق عبد اللہ بن ایوب الضریر لائے ہیں، وہ کہتے ہیں ہمیں محمد بن سلیمان الذھلی نے بیان کیا، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الوارث بن سعید نے حدیث بیان کی ہے، عبد الوارث کہتے ہیں میں مکہ آیا تو میں نے امام ابو حنیفہ، ابن ابی لیلی اور ابن شبرمہ کو پایا۔ میں نے ابو حنیفہ سے پوچھا، آپ اس شخص سے متعلق کیا کہیں گے، جو ایک بیع کیا اور ایک شرط رکھا؟ تو آپ نے کہا: بیع باطل ہے اور شرط بھی باطل ہے۔ ابن ابی لیلی کے پاس آیا اور آپ سے سوال کیا تو آپ نے کہا کہ بیع جائز ہے، لیکن شرط باطل ہے۔ پھر ابن شبرمہ کے پاس آیا تو انہوں نے بیع اور شرط دونوں کو جائز قرار دیا۔ میں نے کہا یا سبحان اللہ! آپ حضرات عراق کے تین عظیم فقہاء اور میرے اس مسئلہ میں مختلف رائے رکھتے ہیں! میں ابو حنیفہ کے پاس آیا اور انہیں خبر دی تو انہوں نے کہا کہ مجھے نہیں معلوم کہ ان دونوں نے جو کہا: مجھے عمرو بن شعیب نے خبر دی ہے اور وہ ان کے والد سے اور وہ ان کے دادا سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بیع اور ایک شرط سے منع فرمایا ہے۔ کہ بیع بھی باطل اور شرط بھی باطل۔ اور اس ساری حدیث کو انہوں نے پیش کیا۔

یہ حدیث نہایت کمزور ہے، اس لئے کہ اس میں عبد اللہ بن ایوب الضریر القربی ہیں جن کے بارے میں امام دار قطنی رحمہ اللہ نے متروك کہا ہے([172])۔ ان کے شیخ محمد بن سلیمان الذھلی سے متعلق شیخ البانی رحمہ اللہ نے لم أعرفه کہا ہے۔ اس حدیث کو ذکر کرنے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا منشا یہ ہے کہ اس میں ابو حنیفہ ہیں جو کہ حدیث کے باب میں ضعیف ہیں۔ کبار ائمہ نے انہیں ضعیف کہا ہے، امام مسلم، احمد بن حنبل، عبد اللہ بن مبارک، نسائی، اور دار قطنی وغیرہ نے ان کے سوء حفظ کی وجہ سے ضعیف کہا ہے۔ ابن حبان رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ ایک جدالی شخص تھے، ظاہر الورع آپ کا وصف تھا، فن حدیث سے آپ آشنائی نہ تھی، ۱۳۰ مسند حدیثیں آپ سے مروی ہیں اس کے علاوہ آپ سے کوئی حدیث مروی نہیں ہے۔ اس میں سے بھی ۱۲۰ میں آپ سے خطا ہوئی ہے۔ کبھی سند میں الٹ پلٹ کر کے، کبھی غیر شعوری طور سے متن میں ردوبدل کر کے۔ اور جب ان سے غلطیاں ان کی درستگی پر غالب آگئیں تو ان سے روایات کے باب میں احتجاج ترک کر دیا گیا([173])۔ تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ گو کہ فقیہ، متقی اور زاہد انسان تھے لیکن روایت حدیث اور اس کے ضبط اتقان میں اس درجہ کے نہ تھے۔ بلکہ عبادات اور فقہیات آپ کی مشغولیات تھیں۔ ان سب کے باوجود حدیث کے ان الفاظ میں نکارت بھی ہے۔ اس لئے کہ

---

[171] - رقم الصفحة: 128

[172] - ميزان الاعتدال: 394/2

[173] - المجروحين: 406/2

آپ کا کہنا: مذکورہ حدیث جابر جو کہ متفق علیہ ہے اس کی مخالف ہے۔ مزید یہ قول اس حدیث کی بھی معارض ہے، اور اجماع کے خلاف بھی ہے۔ جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ([174])۔ اور ابن القیم([175])۔ رحمہا اللہ نے ذکر کیا ہے۔

دوسری بات: حدیث مبارکہ اس بات پر دلیل ہے کہ بیک وقت ادھار اور بیع جائز نہیں ہے۔ اور السلف: سے مراد 'قرض'([176])۔ ہے۔ جیسے کوئی کہے: میں تمہیں یہ کار اس شرط پر بیچوں گا کہ تم مجھے اتنا قرض دوگے۔ اس معنی کی ایک تفسیر امام مالک رحمہ اللہ سے منقول ہے وہ یہ کہ:([177])۔ میں تمہیں اتنا قرض دوں گا تاکہ تم مجھ کو تمہاری کار بیچ دو۔ یہ جائز نہیں ہے۔ ابن عبد البر، ابن ھبیرہ، اور ابن رشد نے اہل علم کا اس بات پر اتفاق بیان کئے ہیں([178])۔ ابن قدامہ رحمہ اللہ نے کہا کہ میں اس بارے میں کسی اختلاف سے مطل َع نہیں ہوں۔([179])۔

اس منع میں حکمت یہ ہے کہ اس میں بیع قرض کے لئے وسیلہ بن جاتی ہے۔ تو یہ قرض منفعت ساتھ لاتا ہے۔ اس لئے کہ یہ قرض صرف اس لئے دے رہا ہے کہ اس کی بیع ہو جائے، جب کہ قرض میں صرف مقترض کے حق میں رفق ہونا چاہئے اس میں کوئی اور مقاصد نہیں ہونی چاہئے۔

تیسری بات: حدیث مبارکہ اس بات پر بھی دلیل ہے کہ عقد بیع میں دو شرطیں جائز نہیں ہیں۔ اس کی تفسیر میں اہل علم اختلاف کئے ہیں ۔کچھ اہل علم نے اس کا ظاہر پر محمول کیا ہے، اور اس کی تفسیر میں یہ کہا ہے کہ خریدار کا بائع پر دو شرطوں کا پیش کرنا ہے۔ وہ اس طرح کہ خریدار لکڑیاں خریدے اور بائع پر شرط رکھے کہ وہ ان لکڑیوں کو اس کے گھر تک لائے اور اس کی تکسیر کرے۔ یا خریدار کا کپڑے خرید کر بائع سے کہے کہ وہ اس کی سلائی بھی کرے، یہ صحیح نہیں ہے۔ اس تفسیر کو ابن المنذر رحمہ اللہ امام احمد اور امام اسحاق کی طرف منسوب کئے

---

[174] - الفتاوى: 132/29

[175] - إعلام الموقعين: 162/4

[176] - شرح السنة للبغوي: 145/8

[177] - الموطأ: 657/2

[178] - التمهيد: 385/24، الإفصاح: 360/1، بداية المجتهد: 312/3

[179] - المغني: 334/6

ہیں([180])۔ ابن قدامہ رحمہ اللہ نے امام احمد کا قول نقل کیا ہے کہ آپ نے کہا: ایک شرط اس میں کوئی حرج نہیں، منع تو دو شرط سے متعلق ہے([181])۔ شیخ ابن باز رحمہ اللہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔

منع کا سبب: دو شرطوں کی شرط جھگڑے کا سبب بنتی ہے۔ اس کے برخلاف ایک شرط تو اس کی حاجت رہتی ہے، اور اس میں نزاع والی بات پیدا بھی نہیں ہوتی۔

دوسرا قول: دو شرطوں سے مراد: بائع کا یہ کہنا: تم اس سامان کو نقد اس میں لے لو، میں اسی کو آپ سے بیس پر بطور قرض کے حاصل کرلوں گا۔ یہ توعینہ والی بیع ہے۔ یہ ابن القیم رحمہ اللہ کا قول ہے جو اس کی تعلیل کرتے ہوئے آپ نے کہا: شرط کا خود عقد پر اطلاق ہوتا ہے۔ اس لئے کہ وہ دونوں اس کے پورا کرنے میں مشروط ہیں، تو وہ مشروط ہے۔

پہلی تفسیر مقصود حدیث سے بعید ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔ اس لئے کہ بائع کا بیع میں مفعت کی شرط رکھنا فاسد ہے تو اس میں ایک شرط یا دو شرطیں دونوں فاسد ہوں گی۔ اور اگر وہ صحیح ہے تو اس میں ایک شرط یا دو شرطوں یا اس سے زائد کی تفریق چہ معنی دارد؟

چوتھی بات: حدیث مبارکہ اس بات پر بھی دلیل ہے کہ کسی انسان کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ایسی چیز سے آمدنی حاصل کرے جو اس کی ملکیت میں نہیں ہے۔ وہ اس طرح کہ کوئی شخص بائع سے خریدا ہوا سامان اپنی تحویل اور قبضے میں لینے سے قبل اس سے سود مند ہو جائے۔ اس لئے کہ سامان قبضہ سے قبل خریدار کی ضمانت میں نہیں رہتا ہے۔ سامان تو بائع کی ضمانت میں ہوتا ہے، اگر اس سامان کو کچھ نقصان ہو جائے یا وہ تلف ہو جائے تو بائع کے مال ہی میں ہوگا۔ اگر وہ بائع سے اپنے قبضے سے قبل ہی فروخت کر دیا تو اس نے ایسی چیز بیچ دی ہے جو اس کے قبضے میں نہیں ہے اور اگر وہ تلف ہو جائے تو اس کی ضمانت اس پر نہیں ہے۔ یہ جائز نہیں ہے۔ ایک اور حدیث مبارکہ جو اسی معنی کی ہے: «الْخَرَاجُ بِالضَّمَانِ»([182])۔ اس کا معنی یہ ہے کہ: جو فائدہ اصل مال مبیع سے ہوتا ہے اس کا ضمان کا استحقاق بھی اس پر ہے جس کے پاس سامان ہوگا۔ اس حدیث پر اس کی اپنی جگہ میں مزید کلام آئے گا ان شاء اللہ۔

پانچویں بات: حدیث مبارکہ اس بات پر بھی دلیل ہے کہ کسی انسان کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ایسی چیز فروخت کرے جو اس کے پاس نہیں ہے۔ یعنی جو اس کی ملکیت اور اس کے تصرف میں نہیں ہے، اس طرح سے کہ عقد کے وقت ایسی چیز بیچے جو اس کی ملکیت میں نہیں ہے کہ بازار جائے اور کوئی چیز خرید کر خریدار کے حوالے کر دے۔ حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث اس پر دلالت کرتی

---

[180] - تهذيب مختصر السنن: 144/5

[181] - المغني: 321/6

[182] - سنن أبي داؤد: كتاب الإجارة، باب فيمن اشترى عبدا فاستعمله ثم وجد به عيبا. برقم: 3508، حسنه الشيخ الألباني رحمه الله

ہے۔ آپ نے کہا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیااور کہا: کوئی شخص میرے پاس آتا ہے اور مجھ سے ایسی اشیاء سے متعلق سوال کرتا ہے جو میرے پاس نہیں ہوتی ہیں، تو کیا میں اس کے لئے بازار سے خرید لوں اور اس کو فروخت کروں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «لاَ تَبِعْ مَا لَيْسَ عِنْدَكَ»[183]۔ ابن قدامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ولا نعلم فيه خلافا. ہم اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں پاتے ہیں۔[184]۔

شیخ ابن باز رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس حدیث مبارکہ میں وہ بھی داخل ہے کہ کوئی شخص کوئی چیز بیچے جسے اس نے خریدا ہے اور وہ لوگوں کے ذمہ ہو۔ تو اس کے بیچنے کے لئے اپنے قبضے میں لیناضروری ہے۔ اس لئے کہ یہ بھی اس حدیث کی وسعت میں شامل ہے، جس میں آپ نے فرمایا: «لاَ تَبِعْ مَا لَيْسَ عِنْدَكَ»، اس سے قبل یہ بات شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی کہی ہے۔ اس طرح اس حدیث «لاَ تَبِعْ مَا لَيْسَ عِنْدَكَ» کا معنی ہو گا: جو آپ کی ملکیت میں نہیں ہے اور آپ کے کنٹرول میں نہیں ہے۔[185]۔

اس بیع کے ممنوع ہونے کی وجہ مبیع کا وقت عقد پر خریدار کو عدم قدرت کی وجہ سے نہ سونپنا، اور اس پر مرتب ہونا والا نزاع ہے۔ اس لئے کہ ہو سکتا ہے یہ اس وقت بازار میں سامان اور مبیع کو موجود نہ پائے۔ اگر بائع بازار میں اس کے موجود نہ ہونے کی وجہ سے جو مشقت میں ہوتا ہے اس سے کوئی طرح کے اختلافات جنم لیتے ہیں۔ جب کہ خریدار سامان کا مطالبہ کرتا ہے اس میں کسی طرح کی ڈھیل نہیں دیتا ہے۔ اس لئے کہ اسی وقت مبیع یعنی سامان کے سونپ دئے جانے پر عقد مکمل ہو چکا ہوتا ہے۔

اہل علم میں سے فقہائے حنابلہ وغیرہ جیسے امام خطابی، بغوی[186]۔ رحمہم اللہ اس حدیث کو صرف اعیان سے متعلق جو کہ بیع کے وقت اس پر ان کی ملکیت نہیں ہوتی ہے، ممانعت پر محمول کئے ہیں۔ البتہ کوئی ایسی چیز فروخت کرے جس کے اوصاف واضح ہیں تو اس کی بیع صحیح ہے، یہی ہے جسے بیع السلم کہتے ہیں جس میں اس کے اوصاف سے بات پکی ہوتی ہے۔ یہ بھی ایسی بیع ہے جو بائع کی ملکیت میں نہیں ہوتی ہے۔ اس میں اس کی شرطیں بیان کر دی جاتی ہیں انہیں میں سے: مجلس عقد ہی میں قیمت پر قبضہ کر لینا ہے، اگر قیمت پر قبضہ کر لیا جائے اور مبیع کو موخر ادا کرنا ہے تو یہ بھی دیگر قرضوں کی طرح ایک قرض ہو جائے گا۔ اور آیت کریمہ کی عموم میں یہ بھی داخل ہو جائے گا، اللہ

---

[183] - سنن أبي داؤد: كتاب الإجارة، باب . برقم: 3503، والنسائي: 289/7، والترمذي: 1232، وأحمد: 25/24، 26، وهو حديث صحيح بطرقه. وصححه الشيخ الألباني رحمه الله

[184] - المغني: 296/6

[185] - الفتاوى: 403/29

[186] - شرح السنة: 140/8، معالم السنن: 143/5

تعالی نے فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى فَاكْتُبُوهُ﴾(البقرة: 282)۔اس کے باب کے تحت مزید کلام ان شاء اللہ آگے آئے گا۔

بیع عربون کا حکم

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم عَنْ بَيْعِ الْعُرْبَانِ. رَوَاهُ مَالِكٌ، قَالَ: بَلَغَنِي عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ.

عمرو بن شعیب اپنے باپ اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع عربان سے منع فرمایا ہے۔اسے مالک نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ روایت مجھے عمرو بن شعیب سے پہنچی ہے۔

ا۔حدیث کی تخریج:

امام مالک رحمہ اللہ نے اس حدیث کو "الموطأ" کی کتاب "البیوع" کے آغاز میں باب "ما جاء في بيع العربون" (609/2) کے تحت ایک راوی جو آپ کے نزدیک ثقہ ہیں، بطریق عمرو بن شعیب، از ان کے والد اور وہ ان کے دادا سے روایت لائے ہیں۔

یہ سند امام مالک نے جس ثقہ راوی سے روایت کئے ہیں ان کے مبہم ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ابن عدی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس حدیث کو امام مالک نے ابن لھیعہ سے بروایت عمرو بن شعیب سنے ہیں، لیکن ابن لھیعہ کے ضعف کی وجہ سے ان کا نام نہیں لئے ہیں۔اور یہ حدیث ابن لھیعہ از عمرو بن شعیب مشہور ہے([187])۔اس حدیث سے متعلق ابن القیم نے امام احمد سے نقل کئے ہیں کہ آپ سے اس حدیث کے بارے میں سوال کیا گیا، آپ نے کہا: "ليس بشيء"([188])۔

اس حدیث کو ابوداود (3502)، ابن ماجہ (2192)، اور احمد (332/11) نے امام مالک کی بلاغات میں سے لائے ہیں، وہ عمرو بن شعیب سے، وہ ان کے والد سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں۔

---

[187] - الكامل: 153/4

[188] - بدائع الفوائد: 184/4

ABM PrintTime

یہ حدیث بھی منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے، کیونکہ یہ امام مالک کی بلاغات میں سے ہے، جو آپ کو عمرو بن شعیب سے پہنچی ہے، آپ نے انہیں براہ راست نہیں لیا، ان کے درمیان ایک راوی ہے جن کا نام نہیں لیا گیا ہے۔

۲۔ غریب الفاظ کی شرح:

بَيْعِ الْعُرْبَانِ: عین کے پیش پر ہے۔ اس کو العربون: بھی پڑھا جاتا ہے، عین پر پیش اور زبر دونوں آتے ہیں اور راء ساکن ہے۔ لغت میں اس کا اصل معنی تسلیف اور تقدیم ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے: عربنه یعنی اس نے عربون دیا۔([189])۔

فقہاء کے پاس اس کا معنی یہ ہے کہ کوئی شخص خریداری کرے، یا اجرت پر کوئی چیز طلب کرے اور پیشگی کچھ قیمت اور اجرت ادا کر دے۔ اور اگر عقد مکمل ہو جائے تو سامان کی جو قیمت ہے اس میں اس کو ضم کر لیا جائے، بصورت دیگر یہ بائع کی ملکیت شمار ہو گی۔

تیسری بات: حدیث مذکور عربان کی بیع کے ممنوع ہونے پر دلیل ہے۔ ممانعت اس عقد کے فساد کا متقاضی ہے۔ یہ جمہور کا موقف ہے جن میں احناف، مالکیہ، اور شافعیہ ہیں۔ امام احمد سے بھی ایک روایت منقول ہے، ابو الخطاب([190])۔ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ ان حضرات کا کہنا ہے: یہ بیع دھوکہ اور خطورت کی قبیل سے ہے، اور اس میں بغیر کسی عوض اور خدمت کے کسی کا مال کھانا لازم آتا ہے۔

دوسرا قول: عربون کے جواز کا قول ہے جو کہ مذھب حنابلہ کو مشہور قول ہے، لیکن یہ مذھب حنبلی کے تفردات میں سے ہے([191])۔ عمر ابن الخطاب اور ان کے فرزند عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے یہ قول منقول ہے۔ اسی طرح بعض سلف جیسے ابن سیرین اور مجاہد([192])۔ رحمہا اللہ سے بھی منقول ہے۔ ان کا مستدل یہ ہے:

۱۔ زید بن اسلم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عربون کی بیع کو حلال قرار دیا ہے، اس کو ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔([193])

---

[189] - المصباح المنير: ص 401

[190] - المغني: 331/6، الشرح الصغير على أقرب المسالك: 100/3، روضة الطالبين: 397/3.

[191] - الإنصاف: 358/4

[192] - المغني: 331/6

[193] - المصنف: 304/7، من طريق هشام بن سعد، عن زيد بن أسلم، به. وهذا إسناد ضعيف، فإن بين هشام وبين زيد مفاوز. " إعلام الموقعين ": 377/5، وأخرجه أيضا: 306/7، من طريق معتمر بن سليمان، عنه، وهو كالذي قبله. وراه عبد الرزاق: أنا الأسلمي، عن زيد بن أسلم، به. وهو معضل. " التلخيص ": 19/3.

۲۔ سفیان بن عیینہ نے از طریق عمرو بن دینار، از عبد الرحمن بن فروخ، اور وہ نافع بن الحارث -عہد فاروقی میں آپ مکہ کے گورنر تھے- سے جنہوں نے صفوان بن امیہ سے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے لئے چار ہزار درہم کے عوض ایک گھر خریدا، نافع نے یہ شرط رکھی تھی کہ اگر عمر رضی اللہ عنہ راضی ہو جائیں تو بیع مکمل ہو جائے گی، اگر راضی نہ ہوں تو یہ چار ہزار درہم صفوان کے لئے ہوں گے۔([194])

امام احمد نے اس روایت کے ظاہر سے اخذ کئے ہیں۔ اثرم کہتے ہیں: میں نے احمد بن حنبل سے کہا: تم اس موقف کو اختیار کرتے ہو؟ آپ نے کہا: میں کیا کہوں گا؟ یہ تو عمر رضی اللہ عنہ ہیں! یعنی اس روایت سے عمر رضی اللہ عنہ نے مسئلہ اخذ کیا ہے، اور اسی سے اپنا موقف بنائے ہیں۔([195])

امام بخاری رحمہ اللہ نے ابن سیرین رحمہ اللہ سے معلق روایت لائے ہیں کہ ایک شخص نے شتربان سے کہا: اپنا اونٹ تیار کرو، اگر میں تیرے ساتھ فلاں فلاں دن نہ جاؤں تو تیرے لئے سو درہم ہیں، چنانچہ وہ نہ گیا تو قاضی شریح نے فیصلہ کیا: جو اپنی مرضی سے اپنے آپ پر کوئی شرط عائد کرے جبکہ اسے مجبور نہ کیا گیا ہو تو اسے وہ شرط پوری کرنی ضروری ہے۔([196])

جواز کا قول اپنے اندر وزن رکھتا ہے۔ شیخ ابن باز رحمہ اللہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ بس شرط یہ ہے کہ اس میں ایک وقت معین ہو، وقت مقرر نہ کرنے کی وجہ سے اس میں ضرر واقع ہوتا ہے اس لئے کہ بیع معلق رہ جاتی ہے۔ اور شتراط سے شرط میں اختیار لینا ہوتا ہے۔

ان حضرات کا یہ کہنا کہ یہ بغیر کسی خدمت کے مقابل ہے تو اس کے جواب میں یہ کہا جائے گا کہ یہ قیمت اس بیع سے متعلق مہلت اور اس کے انتظار اور سامان کو خریدار کے لئے روکے رکھنے اور خریداری میں اس کو اختیار دینے کے عوض میں ہے۔ اس میں دوسرے شخص کی خریداری اس کے لئے فوت ہوتی ہے۔ اس طرح عربون کے مسئلہ میں یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ بائع کے بغیر کسی مقابل کے قیمت ملتی ہے۔

لیکن بائع اگر خود سے دستبردار ہو جائے تو یہ افضل عمل ہے۔ اس لئے کہ یہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول: «مَنْ أَقَالَ مُسْلِمًا أَقَالَهُ اللَّهُ عَثْرَتَهُ»([197])۔ کے عموم میں داخل ہے۔ یہ صحیح حدیث ہے اس کی اپنی جگہ پر تفصیل آئے گی۔ اور بائع کا یہ چھوڑ دینا اس لحاظ

---

[194] - علقه البخاري (75/5 الفتح)، ووصله ابن أبي شيبة: 306/7، وعبد الله بن أحمد في " مسائله ": 1044، والبيهقي: 34/6، من طريق ابن عيينة، به. ورجاله ثقات، إلا عبد الرحمن بن فروخ فلم يوثقه إلا ابن حبان (87/7)، ولم يرو عنه إلا عمرو بن دينار، كما نقله الذهبي في " الميزان ": 582/2، عن الحاكم.

[195] - المغني: 331/6، إعلام الموقعين: 401/3

[196] - فتح الباري: 345/5

[197] - سنن أبي داؤد: كتاب الإجارة، باب فضل الإقالة. برقم:

سے بھی بہتر ہے کہ وہ اہل علم کے اس اختلاف سے نکل جائے گا، احتیاط بھی اسی میں ہے اور ایک مومن کے دین کی سلامتی بھی باقی رہے گی۔

مذکورہ پہلو صرف احتیاط کی حد تک ہے ورنہ مانعین کی دلائل میں کوئی زور نہیں ہے۔ بائع کا محتاط طور پر کچھ لے لیتا ہے تو وہ اس کے لئے ہے۔ اور اہل اسلام اپنے شروط پر ہیں۔ دوسرا قول یعنی قائلین جواز نے جو ذکر کیا ہے وہ ممکن الوقوع میں سے ہے، اس سے استدلال درست ہے۔ واللہ اعلم۔([198])

[198] - أنظر: رسالة " حكم العربون في الإسلام " للدكتور: ماجد أبو رخية.

ABM PrintTime

سامان پر مکمل قبضہ سے قبل بیچنا منع ہے

عَنِ ابنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: ابْتَعْتُ زَيْتاً فِي السُّوقِ، فَلَمَّا اسْتَوْجَبْتُهُ لَقِيَنِي رَجُلٌ فَأَعْطَانِي بِهِ رِبْحاً حَسَناً، فَأَرَدْتُ أَنْ أَضْرِبَ عَلَى يَدِ الرَّجُلِ، فَأَخَذَ رَجُلٌ مِن خَلْفِي بِذِرَاعِي، فَالْتَفَتُّ، فَإِذَا هُوَ زَيْدُ بنُ ثَابِتٍ، فَقَالَ: لَا تَبِعْهُ حَيْثُ ابْتَعْتَهُ حَتَّى تَحُوزَهُ إِلَى رَحْلِكَ؛ فَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: نَهَى أَنْ تُبَاعَ السِّلَعُ حَيْثُ تُبْتَاعُ، حَتَّى يَحُوزَهَا التُّجَّارُ إِلَى رِحَالِهِمْ. رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَأَبُو دَاوُدَ وَاللَّفْظُ لَهُ، وَصَحَّحَهُ ابنُ حِبَّانَ وَالْحَاكِمُ.

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے بازار میں زیتون (کا تیل) خریدا، جب میں نے سودا پکا کر لیا تو ایک آدمی مجھے ملا اور اس نے مجھے اچھا نفع دینے کی پیشکش کی، میں نے اس آدمی سے ابھی سودا طے کرنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ ایک آدمی نے پیچھے سے میرا بازو پکڑا، میں مڑا تو وہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ تھے، انہوں نے کہا، وہیں پر فروخت نہ کرو جہاں سے تم نے خریدا ہے حتی کہ تم اسے اپنے گھر کی طرف منتقل کر لو، بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ سودا اسی جگہ فروخت کر دیا جائے جہاں سے خریدا جاتا ہے حتی کہ تاجر حضرات اسے اپنے گھروں کی طرف منتقل کر لیں۔ اسے احمد اور ابوداود نے روایت کیا ہے اور یہ لفظ ابوداود کے ہیں اور ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔

ا۔ حدیث کی تخریج:

اس حدیث کو امام احمد (522/35)، ابوداود نے کتاب "البیوع" باب "في بيع الطعام قبل أن يستوفى" (3499) کے تحت، ابن حبان (360/11)، اور حاکم (40/2) نے از طریق محمد بن اسحاق، از ابوالزناد، از عبید بن حنین از عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما لائے ہیں۔

یہ حدیث ابن اسحاق کی وجہ سے حسن درجہ کی ہے، اس لئے کہ وہ "صدوق" ہیں، احمد اور ابن حبان کی روایت میں تحدیث سماع کی صراحت ہے، جس شبہ تدلیس منتفی ہو جاتی ہے۔ اس کے باوجود آپ کی متابعت بھی کی گئی ہے۔ طبرانی "الکبیر" (113/5) میں اور دارقطنی (12/3) از طریق جریر بن حازم، اور دارقطنی از طریق اسحاق بن حازم، اور دونوں ابوالزناد سے روایت کرتے ہیں۔

ABM PrintTime

رہاامام حاکم کا یہ کہنا:"هذا حديث صحيح على شرط مسلم، ولم يخرجاه"، محل نظر ہے۔اس لئے کہ امام مسلم نے ابن اسحاق سے اصول میں کوئی روایت نہیں کئے ہیں، بلکہ متابعات میں مقرون بغیرہ لائے ہیں۔اور وہ صرف پانچ حدیثیں ہیں جس کا امام ذہبی نے ذکر کیاہے([199])۔ان کے حفظ میں کچھ کمی ہونے کی وجہ سے وہ حسن الحدیث ہیں۔ان کی حدیث درجہ ءصحت تک نہیں پہنچتی ہے۔

۲۔غریب الفاظ کی شرح:

ابْتَعْتُ:یعنی میں نے خرید ا، کہاجاتاہے:ابتاع زيد الدار۔یعنی اس نے خریداری کی۔بیوع کے ابتدائی مباحث میں یہ بات گذر چکی ہے۔

زَيَتاً:یہ زتیون کا تیل ہے۔ابن حبان کی روایت میں ہے:"قدم رجل من الشام بزيت"۔اس کا اطلاق تیل وغیرہ چیزوں پر ہوتاہے۔

فَلَمَّا اسْتَوْجَبْتُهُ:یعنی جب وہ مستحق ہو جائے۔میرے اور بائع کے درمیان عقد مکمل ہو جائے۔اس سیاق سے یہی ظاہر ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہمانے اس کے قبضہ سے قبل فروخت کیاتھا۔

فَأَرَدْتُ أَنْ أَضْرِبَ عَلَى يَدِ الرَّجُلِ:یعنی میں نے اس کے ساتھ بیع پر عقد پوری کیا۔عادات میں سے یہ ہے کہ خریداری میں جانبین کی طرف سے ہاتھ پر ہاتھ ماراجاتاہے، جو کہ دونوں کے مابین موافقت کی دلیل ہوتی ہے۔

حَيْثُ ابْتَعْتَهُ:یعنی جہاں سے تم نے خریدا۔مطلب یہ ہے کہ تم اس جگہ پر فروخت نہ کرو جہاں سے خریداری کی ہو۔

حتَّى تَحُوزَه:یہاں تک کہ تم اس پر کنٹرول مکمل کرلو اور اس کو کسی دوسرے مقام پر لے جاؤ اور اس میں تصرف کرو۔آپ کا یہ کہنا:حزت الشيء أحوزه حوزا، وحيازة. یعنی آپ نے اسے ملایااور جمع کیا۔الحوز، والحيازة، والقبض: یہ سب مترادفات اور قریب المعانی الفاظ ہیں۔

إِلَى رَحْلِكَ:رحل الإنسان: سے مراد اس کا مسکن ہے، اور جو اس کے ساتھ میں اس کے سازوسامان، اور گھریلو اثاثے ہیں۔

حيثَ تبتَاعَ:یعنی جہاں سے اشیاء کی خریداری ہوئی ہے وہاں بیچنے کی ممانعت ہے۔

تیسری بات: حدیث مبارکہ اس بات پر دلیل ہے کہ خریدار کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ جب تک اس چیز کو اپنے قبضے میں لے کر کسی دوسری جگہ نہ چلاجائے۔سامان کا قبضے سے قبل بیچنے میں ممانعت کی حکمت گذر چکی ہے۔

[199] - المیزان: 475/3

ABM PrintTime

حدیث کا ظاہر یہی ہے کہ یہ ممانعت سبھی کو عام ہے۔چاہے وہ مبیع مطعومات سے ہو یا دیگر منقولات جیسے: سازوسامان، کتابیں، اشیائے خوردونوشت، اور حیوانات وغیرہ ہوں۔اس لئے کہ حدیث میں مذکور لفظ "السلع" عام ہے جو کہ مطعومات وغیرہ سب کو شامل ہے۔ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول بھی اس کی تائید کرتا ہے، آپ فرماتے ہیں: "أما الذي نهى عنه النبي صلى الله عليه وسلم فهو الطعام أن يباع قبل أن يقبض"، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس سے منع فرمایا ہے وہ یہ کہ مطعومات کو اس پر قبضہ سے قبل نہیں بیچنا چاہئے۔ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: "ولا أحسب كل شيء إلا مثله"([200])۔یعنی میں دیگر اشیاء کو بھی اسی کے حکم میں سمجھتا ہوں۔یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے تفقہ کی دلیل ہے، آپ راوی حدیث ہیں، جس کا معنی آپ بہتر جانتے ہیں۔

منقولات کا بھی قبضہ سے قبل بیچنے کی ممانعت والا قول جمہور کا ہے، جس میں احناف، شوافع، اور ظاہریہ ہیں۔امام احمد سے بھی ایک قول منقول ہے([201])۔اورانہوں نے زمین کا بھی اضافہ کیا ہے۔اس لئے کہ ہر مبیع کا قبضہ میں ہونا شرط ہے۔سوائے حنفیہ کے ان کے ہاں "عقار" میں قبضہ کی شرط نہیں ہے اس لئے کہ اس میں ہلاکت کا خوف نہیں رہتا ہے۔([202])۔

منقولات کا قبض ہر چیز کے بقدر مختلف ہے۔ناپ تول والی اشیاء کا قبض الگ نوعیت کا ہے جس میں اندازہ لگایا جاتا ہے، اور وہ اشیاء جو عادۃ اٹھا کر لے جاتی ہیں، جیسے: سازوسامان، کتابیں، اشیائے خوردونوشت، لکڑیاں وغیرہ اشیاء جن کا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرانا بائع سے مختص نہیں ہے۔

رہی وہ اشیاء جنہیں بآسانی ہاتھ سے اٹھالے جاسکتے ہیں، جیسے زیورات، جواہر وغیرہ ہیں تو ان پر قبضہ ان کو لے لینے میں ہی ہو جاتا ہے، اس کے علاوہ اشیاء کا عرف کے مطابق حکم ہو گا۔

عقار پر قبضہ کا معاملہ جیسے: زمینیں، مساکن، تجارتی محلات، اسی طرح درخت پر ہی پھلوں کی بیع، تو یہ سب چیزیں بائع اور مشتری کے مابین کا مسئلہ ہے اس میں وہ تصرف کریں۔کوئی چیز نہ مانع ہے اور نہ حائل۔بس اس کی چابیاں انہیں سونپ دی جائیں اگر اس کے لئے رکھی ہوئی ہیں۔اس لئے کہ اس میں عرفا قبضہ کی یہی صورت متصور ہوتی ہے۔

---

[200] - أخرجه البخاري: 2135، ومسلم: 1525

[201] - " روضة الطالبين ": 515/3، " الإنصاف ": 470/4

[202] - " الإفصاح ": 343/1، " حاشية ابن عابدين ": 561/4، " الإنصاف ": 471/4

عقار سے دیگر وزنی اشیاء بھی ملحق ہو جاتی ہیں، جیسے ری ہے جو کہ دور حاضر کی معروف وسائل میں سے ہے، برتنوں پر لدا بہت سارا سامان ،اس طرح کی دیگر چیزیں جنہیں دوسری جگہ منتقل کرنے کے لئے بہت ساری مالی قوت صرف کرنا ہوتا ہے۔ ظاہر یہی ہے کہ اس میں قبضہ تخلیہ سے ہی ہو سکتا ہے([203])۔ واللہ اعلم

سونے کو چاندی کے (بطور کرنسی یا قیمت) بدیل بنانا

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنِّي أَبِيعُ بِالْبَقِيعِ، فَأَبِيعُ بِالدَّنَانِيرِ وَآخُذُ الدَّرَاهِمَ، وَأَبِيعُ بِالدَّرَاهِمِ وَآخُذُ الدَّنَانِيرَ، آخُذُ هَذَا مِنْ هَذَهِ وَأُعْطِي هَذَهِ مِنْ هَذَا؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا بَأْسَ أَنْ تَأْخُذَهَا بِسِعْرِ يَوْمِهَا مَا لَمْ تَتَفَرَّقَا وَبَيْنَكُمَا شَيْءٌ – رواه الْخَمْسَةُ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ.

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول! میں بقیع کے مقام پر اونٹ فروخت کرتا ہوں، میں دیناروں میں فروخت کرتا ہوں اور درہموں میں قیمت وصول کرتا ہوں اور درہموں میں فروخت کرتا ہوں تو دیناروں میں قیمت وصول کرتا ہوں۔ یعنی اس کے بدلے یہ لے لیتا ہوں اور اس کے بدلے یہ دے دیتا ہوں (تو کیا یہ جائز ہے؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم اس دن کی قیمت کے برابر لو اور جدا ہونے سے پہلے مکمل رقم کی ادائیگی کر دو تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں۔ اسے پانچوں نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔

ا۔ حدیث کی تخریج:

اس حدیث کو ابو داود کتاب "البيوع" باب "في اقتضاء الذهب من الورق" (3354)(335) کے تحت، اور ترمذی (1242)، نسائی (283،282،281)، ابن ماجہ (2662)، احمد (489/8)، اور حاکم (44/2) رحمہم اللہ مختلف طرق سے بروایت سماک بن حرب، از سعید بن جبیر، از ابن عمر رضی اللہ عنہما لائے ہیں۔

[203] - أنظر: رسالة " القبض " للدكتور سعود الثبيتي.

سماک بن حرب کا حدیث کو مرفوع بیان کرنے میں منفرد ہونے کی وجہ سے یہ حدیث ضعیف ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ حدیث صرف سماک بن حرب، از سعید بن جبیر، از ابن عمر رضی اللہ عنہ ہی مرفوعا جانی جاتی ہے۔ اس حدیث کو داود بن ابی ہند نے سعید بن جبیر از ابن عمر رضی اللہ عنہما موقوفا روایت کرتے ہیں۔([204])

سماک بن حرب "صدوق "ہیں، ان سے روایت کرنے میں کوئی حرج نہیں، البتہ ان سے متعلق امام نسائی نے کہا: "إذا انفرد بأصل لم يكن حجة؛ لأنه كان يلقن فيتلقن" اگر اصل روایت میں وہ منفرد ہو جائیں تو وہ قابل حجت نہ ہوں گے، اس لئے کہ انہیں کسی بات کی تلقین کر دی جاتی تو اسی کو یاد کر لیتے۔ ابن معین کہتے ہیں: "أسند أحاديث لم يسندها غيره" یہ کچھ احادیث کو جو کہ غیر مسند تھیں انہیں مسند روایت کئے ہیں، جب کہ وہ ثقہ ہیں([205])۔ ابن حزم کہتے ہیں: "سماك بن حرب ضعيف يقبل التلقين، شهد عليه بذلك شعبة" سماک بن حرب تلقین قبول کرنے کی وجہ سے ضعیف ہیں، شعبہ اس بات کی گواہی دے چکے ہیں۔([206])

داود بن ابی ہند – جیسا کہ امام ترمذی نے ذکر کیا ہے – کی طریق سے بروایت سعید بن جبیر، از ابن عمر رضی اللہ عنہما ایک حدیث آئی ہے، اس میں ہے کہ: درہم کو دینار سے اور دینار کو درہم سے لینے میں کوئی حرج نہیں ہے([207])۔ اسی طرح ابوہاشم – الرمانی الواسطی – از سعید بن جبیر، از ابن عمر رضی اللہ عنہما کی طریق سے بھی یہ روایت آئی ہے۔([208])

۲۔ غریب الفاظ کی شرح:

بالْبَقِيعِ: باء موحدہ ہے، یہ کلمہ کئی مقامات کے لئے استعمال ہوتا ہے، ان میں سے ایک بقیع الغرقد بھی ہے۔ ایک درخت کی طرف منسوب ہے جو اس جگہ میں اگتے تھے، یہ جگہ مسجد نبوی کے شرقی جانب ہے جو کہ اہل مدینہ کا قبرستان ہے۔ اس سے قبل یہ مدینہ میں یہ اونٹ بیچے جانے کا بازار تھا۔ اس لئے کہ اس وقت وہاں بہت زیادہ قبریں نہ تھیں۔

اسی طرح بقیع کا اطلاق مسجد نبوی کے مشرقی شمال پر واقع جگہ، اور بقیع الغرقد کے شمالی حصہ پر بھی ہوتا ہے، ان مقامات کو بقیع الاسواق یا بقیع الاصواف کہا جاتا ہے۔ سمہودی نے اسے "بقیع الخیل" کا نام دیا ہے، اور کہا: حدیث میں یہی جگہ مراد ہے۔ اور جنہوں نے بقیع الغرد مراد

---

[204] - جامع الترمذي: 523/2

[205] - " تهذيب التهذيب ": 204/4

[206] - " المحلى ": 504/8

[207] - أخرجه ابن شيبة: 332/6، وإسناده صحيح.

[208] - أخرجه النسائي: 282/7، وقال الألباني في " الإرواء ": 175/5: هذا سند حسن.

لیاہے ان پر رد کئے ہیں، پھر کہتے ہیں: مدینہ نبویہ کی تاریخ لکھنے والوں میں سے کسی نے بھی اس کا ذکر نہیں کیاہے کہ اس میں بازار تھا، جب انہوں نے مدینہ میں موجود بازار کی تعیین کا اہتمام کیاہے۔[209]

فَأَبِيعُ بِالدَّنَانِيرِ وَآخُذُ الدَّرَاهِمَ: یعنی اونٹوں کو دینار میں بیچتے اور بدلے میں درہم لیا کرتے تھے۔ کبھی اس کا عکس کرتے۔

آخُذُ هَذَا مِنْ هَذِه:" البلوغ "کے نسخے میں اسی طرح ہے۔جب کہ "سنن أبو داؤد"میں" آخذ هذه من هذه "ہے۔یعنی درہم کے بدلے دینار لیتا تھا۔

تیسری بات: حدیث مبارکہ سے یہ دلیل ملتی ہے کہ سونے کے بدلے میں چاندی، اور چاندی کے بدلے سونا سے بدل جائزہے۔ خرید و فروخت کے وقت خریدار پر اگر سونا دینا طے ہو جائے لیکن اس نے چاندی ادا کی یا اس کے برعکس معاملہ کیا اور بائع راضی ہو جاتا ہے تو یہ جائزہے۔ہاں شرط یہ ہے عقد کے بعد ان دونوں کے جدا ہونے سے قبل مبیع پر قبضہ ہو جائے۔ اگر یہ شرط مختل ہو تو معاملہ درست نہ ہو گا ۔اور ربا النسیئہ میں داخل ہو جائے گا۔ اس لئے کہ سونا اور چاندی دونوں سودی مال ہیں۔ ان دونوں کی آپسی بیع صرف تقابض کی صورت میں جائزہے ،اس پر اہل علم کا اجماع ہے[210]۔ اگر قبضہ نہ ہو تو عقد پوری طرح باطل ہے۔ اگر کچھ پر قبضہ ہو تو صحت شرط کی وجہ سے اتنا ہی حصہ پر عقد صحیح ہے، بقیہ شرط فوت ہونے کی وجہ سے باطل ہو گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول: «فَإِذَا اخْتَلَفَتْ هَذِه الأَصْنَافُ فَبِيعُوا كَيْفَ شِئْتُمْ إِذَا كَانَ يَدًا بِيَد»[211]۔ بھی اس کا مؤید ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان: «وَلَا تَبِيعُوا مِنْهَا غَائِبًا بِنَاجِز»[212]۔ بھی اسی کی ترجمانی کرتا ہے۔ ان دونوں احادیث پر آگے کلام ہو گا ان شاء اللہ۔

اس کی مثال یہ ہے کہ اگر بائع ایک سعودی ریال میں سامان فروخت کرتا ہے اور اس کو بدلے میں ایک کویتی ریال ادا کیا جارہاہے تو بشرط تقابض جائزہے۔

چوتھی بات: حدیث کے اس جملہ "لَا بَأْسَ أَنْ تَأْخُذَهَا بِسِعْرِ يَوْمِهَا" کا ظاہر یہی ہے کہ یہ شرط ہے۔ اس طرح سونے کو چاندی سے اور اس کے برعکس کی صحت کے لئے دو شرطیں ہیں۔ امام احمد کا یہی قول ہے، امام خطابی، شوکانی اور شیخ ابن باز رحمہم اللہ نے اسی کو

---

[209] - وفاء الوفاء: 754/2

[210] - المغني: 112/6

[211] - صحيح مسلم: كتاب البيوع، باب في الصرف. برقم:

[212] - متفق عليه: صحيح البخاري: كتاب البيوع، باب بيع الفضة بالفضة. برقم: ، وصحيح مسلم: كتاب المساقاة، باب الربا. برقم:

اختیار کیاہے([213])۔وقت کی قیمت کی شرط اس لئے ہے کہ تاکہ وہ اس سے وہ فائد اورآمدنی نہ حاصل کرلے جو اس کی ضمانت میں داخل نہ ہوتی ہو۔

دوسرا قول: یہ شرط منظور نہیں ہوگی بلکہ اس پر یومیہ قیمت طے کرناچاہے زیادہ ہو یاک مجائز ہے۔ابو حنیفہ اور شافعی کا یہی قول ہے، علامہ صنعانی کا میلان بھی اسی طرف ہے۔([214])

ان حضرات نے اس قول رسول:«فَإِذَا اخْتَلَفَتْ هَذه الأَصْنَافُ فَبِيعُوا كَيْفَ شِئْتُمْ»کے عموم سے استدلال کیاہے۔عدم جواز کے قائلین کا کہناہے کہ یہ حدیث عام ہے۔لیکن باب کَے تحت لائی گئ حدیث خاص ہے۔عموم پر خصوص کو مقدم رکھاجائے گا۔واللہ تعالی اعلم

بیع نجش کے ممنوع ہونے کا بیان

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: نَهَى صلى الله عليه وسلم عَنِ النَّجْشِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْه.

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع نجش سے منع فرمایاہے۔بخاری ومسلم۔

۱۔حدیث کی تخریج:

اس حدیث کو امام بخاری نے اپنی صحیح کی کتاب"البیوع"باب"النجش، ومن قال: لا يجوز ذلك البيع"(2142)کے تحت،اورامام مسلم(1516)از طریق مالک، از نافع، ابن عمر رضی اللہ عنہما لائے ہیں۔

۲۔غریب الفاظ کی شرح:

النَّجش:نون پر زبر اور جیم ساکن، یا ان دونوں پر زبر کے ساتھ۔لغوی معنی ہے:نجش الصيد نجشا. شکار کو برانگیختہ کرنا۔اس کو ابھارنا اوراپنے جگہ سے نکالنا تاکہ وہ شکاری پر سے گذرے۔

---

[213] - معالم السنن: 26/5، نيل الأوطار: 177/5- 178

[214] - سبل السلام: 53/5

شرعی معنی ہے خریداری کا قیمت بڑھانا جب کہ اسے خریدی کا ارادہ نہ ہو۔ اس کا مقصد یا بائع کو نفع اندوز کرنا یا خریدار کو نقصان پہنچانا ہوتا ہے۔ یا سامان کی اتنی تعریف کرے کہ اس کی حیثیت چمک جائے، اس بیع کا نام النَّجش: اس لئے پڑا کہ اس میں ناجش خریدار کو سامان کی قیمت زیادہ حاصل کرنے کے لئے اس کو خوب سے خوب راغب کرتا ہے۔

بیع نجش بازار میں بکثرت ہوتی ہے بالخصوص ہمارے اس زمانے میں اس کا چلن زیادہ ہے۔ ایسا صرف فساد، عدم خیر خواہی، اور دنیوی حصول کے خاطر ہوتا ہے۔ بیع نجش کا چلن عموماً دلالوں اور حراج میں ہوتا ہے۔

بیع نجش کبھی خود بائع سے ہوتی ہے، جیسے اس کا کہنا کہ میں نے اس سامان کو اتنے میں خریدا ہے جب کہ وہ جھوٹ بول رہا ہوتا ہے، اور مقصد خریدار کو دھوکہ دینا ہے تاکہ وہ کافی بڑی قیمت ادا کر کے اس کو خرید لے۔ بائع کبھی ایسا بھی کہتا ہے کہ: یہ سامان مجھے اتنے میں مہیا کیا گیا ہے۔ جب کہ وہ جھوٹا رہتا ہے۔

فقہاء نے بیع نجش کی کچھ صورتیں بتلائے ہیں، جس میں انسان سامان کی خوب تعریف کرتا ہے اور بڑی قیمت کا مطالبہ کرتا ہے جب کہ وہ خود اپنے لئے نہیں خریدتا ہے بلکہ دوسرے کو سنانا مقصود ہوتا ہے تاکہ قیمت میں اضافہ ہو جائے۔

تیسری بات: حدیث مبارکہ بیع نجش کے حرام ہونے پر دلیل ہے، اس میں نھی کا یہی تقاضا ہے۔ کیونکہ اگر وہ مطلق ہو تو اصل حرام ہے ۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے: «ولاَ تَنَاجشُوا»[215]۔ ابن بطال رحمہ اللہ کہتے ہیں: "أجمع العلماء على أن الناجش عاص بفعله" اہل علم کا اجماع ہے کہ جو شخص بیع نجش انجام دیتا ہے وہ اپنے اس فعل کی وجہ سے گنہگار ہوگا۔[216]

کیونکہ سامان کی خریداری میں جس کو رغبت ہوتی ہے اس کے حق میں بیع نجش کی وجہ دھوکہ، خداع اور غبن واقع ہوتا ہے۔ اس لئے بھی کہ اس میں خریداروں میں کون زیادہ ادا کرے گا اس کو دیکھا جاتا ہے اور اسی کے سپرد کیا جاتا ہے، یہاں تک کہ بھائی پر سودا کرنے کی عام سی بات ہو جاتی ہے۔ اور حقیقت میں جو قیمت ہوتی ہے اس سے کہیں زیادہ قیمت سے سامان بیچا جاتا ہے۔ جب کہ ایک مسلمان کے حق میں خیر خواہی اور اس کے لئے وہی پسند کرنا جو اپنے لئے پسند کی جائے واجبی امر ہے۔ واللہ المستعان

ہاں اگر نجش کا معاملہ بائع کے ساتھ کوئی اتفاقی طور پر ہو جائے تو اس کا گناہ صرف ناجش پر ہوگا، اور اگر دونوں کے اتفاق پر ہو تو گناہ بھی دونوں پر ہوگا۔

---

[215] - صحيح البخاري: 2150، وصحيح مسلم: 1515

[216] - شرح ابن بطال على صحيح البخاري: 270/6

چوتھی بات: اہل علم کا اتفاق ہے کہ بیع نجش میں مثل قیمت سے زیادہ ہو تو دھوکہ ہونے کی وجہ سے حرام ہو گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «الْمَكْرُ وَالْخَدِيعَةُ فِي النَّارِ»([217])۔

اگر زیادتی سامان کے مثل قیمت تک پہنچتی ہے تو اس کے حکم میں اہل علم کے دو قول ہیں:

پہلا قول: حرام ہے، نجش کی حرمت میں قول واحد یہی ہے، چاہے سامان کی قیمت بڑھائے یا گھٹائے، یا اس کی مثل لے، کچھ مالکیہ اور شافعیہ([218])۔ کا یہی قول ہے۔ ان حضرات نے حدیث الباب سے استدلال کیا ہے۔

دوسرا قول: جائز ہے، بلکہ بعض نے اس کے اس فعل پر اجر و ثواب کی بات کہے ہیں۔ یہ حنفیہ کا قول ہے، مالکیہ کی اکثریت اور کچھ شافعیہ([219])۔ کا بھی یہی قول ہے۔ انہوں نے اس معروف حدیث «الدِّينُ النَّصِيحَةُ»([220])۔ سے استدلال کئے ہیں۔ یہاں ناجش اپنے اس عمل سے اپنے مسلم بھائی کو دوسروں کے نقصان ہونے کے بغیر فائدہ پہنچانا چاہتا ہے۔

پہلا قول قوی دلیل ہونے کی وجہ سے راجح ہے۔ رہا قائلین جواز کا اس حدیث «الدِّينُ النَّصِيحَةُ» سے استدلال دو سبب سے مردود ہے:

۱۔ خیر خواہی اس وقت مطلوب ہے جب کسی معاملہ میں مصلحت متحقق ہو، اور اس میں کسی دوسرے پر کوئی ضرر نہ منطبق ہوتا ہو۔

۲۔ اس معاملہ کو درست قرار دینے میں کسی اور کو یہ وہم ہو جاتا ہے کہ اس میں ناجش خریداری کا ارادہ رکھتا ہے، جب کہ ایسا نہیں ہے۔ یہ تو بس خریدار کے لئے قیمت میں اضافہ کرنا چاہتا ہے۔

پانچویں بات: نجش کی وجہ سے عقد پر اثر پڑتا ہے یا نہیں، اہل علم کے تین اقوال ہیں:

پہلا قول: بیع فاسد ہے، تابعین میں سے عمر بن العزیز اسی طرف گئے ہیں، ظاہریہ کا بھی یہی مذہب ہے، امام مالک اور امام احمد([221])۔ سے ایک قول یہ بھی منقول ہے۔ ان کی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نجش سے منع کرنا ہے، اور نھی فساد کا متقاضی ہے۔ البتہ اس نھی

---

[217] - أخرجه ابن عدي في " الكامل ": 162/2، من طريق جراح بن مليح، ثنا أبو رافع، عن قيس بن سعد رضي الله عنه، به مرفوعا. وإسناده لا بأس به، وللحديث طرق تدل بمجموعها على أن له أصلا. وقد علقه البخاري بصيغة الجزم بلفظ: " الخديعة في النار ". أنظر: " فتح الباري ": 355/4- 356، و " الصحيحة " للألباني: 1057

[218] - حاشية الدسوقي: 68/3، مغني المحتاج: 37/2

[219] - فتح القدير: 239/5، حاشية الصاوي: 106/3، فتح الباري: 356/4

[220] - رواه مسلم: 55

[221] - المغني: 305/6

سے متعلق نقاش کیا گیا ہے کہ ممانعت کا تعلق امر خارجی نجش سے ہے، نفس بیع اور اس کے شروط سے نہیں۔ اس سے بیع فاسد نہیں ہو گی ۔ جیسے تصریہ ہے۔ اور ایسی بیع جس کے ساتھ دھوکہ ہو، وغیرہ۔

دوسرا قول: بیع درست ہے، خریدار کے لئے کوئی اختیار نہیں ہے، اس لئے کہ بیع اپنے پورے ارکان اور شروط سے پوری ہو چکی ہے۔ یہ بیع نجش کی طرف نہیں بلکہ ناجش کی طرف لوٹے گی۔ خریدار کی طرف سے ہی تفریط مانی جائے گی، اس نے نہ معاملہ پر غور کیا، اور نہ تجربہ کار لوگوں سے رجوع کیا۔ حنفیہ کا یہی مذھب ہے، اور شافعیہ کا صحیح ترین قول یہی ہے۔([222])

یہ قول مردود ہے، اس لئے کہ ہر سامان کی خریداری کے لئے تجربہ کار لوگوں سے پوچھنا نہایت مشکل کام ہے۔ شریعت ایسے احکام جاری نہیں کرتی ہے۔ شریعت تو اس طرح کے حالات میں ضرر کو ختم کرنا سکھاتی ہے۔ اسی لئے تصریہ میں اور قافلے کو پانے، وغیرہ امور میں اختیار دیا گیا ہے۔

تیسرا قول: عقد صحیح ہے اور خریدار کے لئے اختیار بھی ہے۔ مالکیہ اور حنابلہ کا یہی قول ہے([223])۔ لیکن مالکیہ نے کہا: نجش ایک عیب ہے تو خریدار کے لئے اختیار ہے۔ حنابلہ نے کہا: خریدار کے لئے کوئی اختیار نہیں ہے سوائے اس صورت میں کہ ناجش کی طرف سے بہت زیادہ دھوکہ ہو جائے جو عام عادت سے بڑھ کر قیمت لی جائے۔ اس کے لئے نجش کی ممانعت والی حدیث سے استدلال کیا گیا ہے۔ انہوں نے کہا: ممانعت کا تعلق عقد کرنے والے سے نہیں بلکہ ناجش سے ہے۔ صحت بیع پر اس کا کوئی اثر نہ ہو گا، اور جب نھی کا تعلق ایک آدمی سے جڑا ہے تو اس کا تدارک ممکن ہے، جیسے بیع میں دھوکہ ہو، یا قافلہ سے جا کر ملنے میں ہو، تو اس میں بھی اختیار ہے۔

یہ قول سب پر راجح ہے، سارے ادلہ کا خلاصہ ہے۔ شرعی قاعدہ "الضرر يزال" پر عمل بھی ہے۔ اور رضامندی بیع کی شروط میں سے ہے ، اس طرح عقد میں نجش سے ضرر ہونے کی وجہ سے خریدار کی رضامندی میں شائبہ رہتا ہے۔ صرف اختیار ہی سے اس کا حق دیا جا سکتا ہے، اور اس کا بدلہ دیا جا سکتا ہے۔ واللہ تعالی اعلم

---

[222] - فتح القدير: 239/5، المهذب: 291/1

[223] - حاشية الدسوقي على الشرح الكبير: 68/3، المغني: 305/6

بعض ممنوع معاملات

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اَللَّهِ رضي اَللَّهُ عَنْهُمَا: أَنَّ اَلنَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم نَهَى عَنْ اَلْمُحَاقَلَةِ، وَالْمُزَابَنَةِ، وَالْمُخَابَرَةِ، وَعَنْ اَلثُّنْيَا، إِلَّا أَنْ تُعْلَمَ. رَوَاهُ اَلْخَمْسَةُ إِلَّا اِبْنَ مَاجَهْ، وَصَحَّحَهُ اَلتِّرْمِذِيُّ.

جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع محاقلہ، مزابنہ، مخابرہ، اور بیع میں نامعلوم استثناء سے منع فرمایاہے۔ اسے احمد، ابوداود، ترمذی، اور نسائی نے روایت کیاہے اور ترمذی نے اسے صحیح کہاہے۔

وَعَنْ أَنَسٍ رضي الله عنه قَالَ: نَهَى رَسُولُ اَللَّهِ صلى الله عليه وسلم عَنِ اَلْمُحَاقَلَةِ، وَالْمُخَاضَرَةِ، وَالْمُلَامَسَةِ، وَالْمُنَابَذَةِ، وَالْمُزَابَنَةِ. رَوَاهُ اَلْبُخَارِيُّ.

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع محاقلہ، مخاضرہ، ملامسہ، منابذہ اور مزابنہ سے منع فرمایا ہے۔ اسے بخاری نے روایت کیاہے۔

ا۔ حدیث کی تخریج:

حدیث جابر کو امام ابوداود رحمہ اللہ کتاب "البیوع" باب "في المخابرة" (3405) کے تحت، ترمذی (1290)، اور نسائی (37،38/7) نے از طریق عباد بن عوام لائے ہیں، وہ کہتے ہیں: مجھے سفیان بن حسین نے خبر دی، وہ یونس بن عبید سے، وہ عطاء سے، اور وہ جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

اور امام احمد (159/23) نے از طریق ابن جریج، از عطاء وابو الزبیر، از جابر رضی اللہ عنہ لائے ہیں، اسی طرح (258/22) از طریق ایوب، از ابو الزبیر، از جابر رضی اللہ عنہ کی طریق بھی لائے ہیں۔

امام ترمذی نے کہا: هذا حديث حسن صحيح. مزید "العلل الكبير" میں کہتے ہیں: اس حدیث سے متعلق میں امام بخاری سے سوال کیا، تو آپ اس حدیث کو سفیان بن حسین، از یونس بن عبید، از عطا غیر معروف قرار دیا۔ آپ نے مزید فرمایا: یونس بن عبید کا عطا بن ابی رباح سے سماع ثابت نہیں ہے۔ [224]

---

[224] - العلل: 519/1

ABM Print Time

یہ حدیث مبارکہ جابر رضی اللہ عنہ سے ایک طریق سے بھی آئی ہے، اسی طرح یہ حدیث مبارکہ انس، اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے بھی صحیحین یا ان دونوں میں سے ایک میں موجود ہے، جس میں اَلثُّنْیا کا لفظ نہیں ہے۔

حدیث انس کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح کی کتاب "البیوع" باب "في بيع المخاضرة" (2207) کے تحت از طریق عمر بن یونس لائے ہیں، وہ کہتے ہیں: ہمیں ہمارے والد[225]۔ نے بیان کیا، اور وہ کہتے ہیں: مجھے اسحاق بن ابو طلحہ الانصاری نے بیان کیا، اور وہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مرفوعا بیان کرتے ہیں۔

۲۔ غریب الفاظ کی شرح:

نَهَى عَنْ الْمُحَاقَلَة: حاء کے مہمل اور قاف کے ساتھ ہے، جو کہ حقل سے ماخوذ ہے، جس کا معنی کھیتی اور اس کی جگہ ہے۔ یہاں مراد: گیہوں کو اس کی بالیوں سمیت فروخت کرنا ہے۔ صاف گیہوں کو ردی کے عوض بیچنا، یہ تفسیر ابو عبید القاسم بن سلام سے منقول ہے۔[226]

الْمُزَابَنَة: میم پر پیش ہے، یہ کلمہ زبن سے ماخوذ ہے۔ جس کا معنی سخت دفاع ہے۔ یہاں مراد ہے: کسی شخص کا ایک احاطے کی رطب کھجور کو سوکھے کھجوروں کے عوض ماپ کر فروخت کرنا، اسی طرح انگور ہوں تو اس کو کشمش کے عوض ماپ کر بیچنا ہے۔ اگر زرعی شیء ہو تو اس کو طعام سے ماپ کر بیچنا۔ اس طرز تعامل کا نام مزابنہ اس لئے پڑا کہ اس میں ہر دو طرف سے اپنے لئے ازدیاد کے طور پر خوب خوب دفع کرنا ہوتا ہے۔

یہ تفسیر حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما سے وارد ہے، جس پر تفصیلی کلام آگے "باب الربا" میں آئے گا ان شاء اللہ۔ بیشتر احادیث مزابنہ کو نخلستان سے مربوط کی ہوئی ہیں، بعض میں کھجور اور انگور سے متعلق بھی ہیں۔ یہ حدیث ان سے سب کو عام ہے جس میں کھجور، انگور، زراعت سب کو شامل ہے۔ اس میں کوئی تضاد نہیں ہے، کیونکہ سلف کا طریقہ یہ ہے کہ وہ کسی شیء کے ساتھ اس کی نظائر کی بھی تفسیر کر دیتے ہیں۔ ان کی منشا حصر کی نہیں ہوتی ہے، فقہاء میں سے کچھ احادیث میں وارد تفسیر پر توقف کرتے ہیں۔ اس لئے کہ اگر یہ تفسیر رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے تو اس سے تجاوز نہیں کر سکتے۔ اور اگر یہ صحابی کی تفسیر ہے تو راوی اپنی روایت سے متعلق زیادہ واقف رہتے ہیں۔ کچھ اس کی تفسیر میں توسع سے کام لئے ہیں جو کہ مالکیہ ہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ نے کہا: یہ ہر طرح کی بیع ہے جس میں اس کا تول، عدد

---

[225] - هو يونس بن القاسم اليمامي من بني حنيفة، وثقه يحيى بن معين وغيره، وهو قليل الحديث، ليس له في البخاري إلا هذا الحديث. " فتح الباري ": 404/4.

[226] - غريب الحديث: 287/1

،وزن اوراس کی جنس نہیں معلوم ہوتی ہے۔اوراس میں سودی حصہ ہے یا نہیں، معلوم نہیں رہتاہے،اس میں رطب پکی کھجوروں کو سوکھی کھجوروں کے عوض بیچا جاتاہے،انگور کو کشمش سے،قدید کو گوشت سے،اوردودھ کو پنیر سے بیچا جاتاہے۔اسی طرح کی ہر بیع جو کہ اپنی جنس کے اعتبار سے معلوم ہے لیکن اصلا مجہول ہے۔([227])

وَالْمَخَابَرَة: میم پر پیش ہے جو کہ خبار سے ماخوذ ہے۔یہ وہ زمین ہے جو زراعت کے لئے زرخیز ہوتی ہے۔یازمین کو کھیتی کرنے کے لئے اس میں شق کرنا۔یہاں مراد:زمین سے پیداوار کے کچھ حصے میں زراعت کرناہے۔زمین کے مالک کے لئے ایک معین حصہ مقرر کردینا، اورزراعت کرنے والے کے لئے ایک حصہ۔یامالک زمین کے لئے زراعت کا عمدہ حصہ مقرر کردینا۔جو کہ نالیوں اور ندیوں کے قریب رہتی ہے۔اس طرح ہر وہ زراعت جو کہ مجہول ہو وہ مخابرہ ہے۔

وعن الثُّنْيا: سہ نقاطی حرف مضموم ہے اس کے بعد نون ساکن ہے جو "دنیا" کے وزن پر ہے۔اس کا مطلب ہے کسی چیز کو فروخت کرتے ہوئے کسی ایسے حصے کو مستثنی قرار دیناجو کہ نامعلوم ہو۔جیسے کسی تاجر کا یہ کہنا:میں آپ کو یہ کتابیں،یا یہ درخت،یہ یا بکریاں فروخت کرتا ہوں البتہ اس میں کا کچھ حصہ مستثنی رکھوں گا۔

إِلَّا أَنْ تُعْلَمَ: یہ استثنا"الثُّنْيا" کی طرف عائد ہوتی ہے۔مطلب یہ ہے کہ:یہ شیء معلوم ہو،جیسے کوئی کہے:میں آپ کو یہ ساری کتابیں فروخت کردی ہیں سوائے اس کتاب کے۔

یہ حدیث مبارکہ صحیح مسلم میں اس لفظ" نهى عن الثنيا" سے وارد ہے جس کا ذکر گذر چکا ہے([228])۔اس میں استثنا نہیں ہے۔اسی لئے حافظ ابن حجر نے صحیح مسلم کی روایت کے بجائے اس روایت کو اختیار کئے ہیں اس لئے کہ اس میں استثناء ہے،عمومی دلائل بھی اس کی موید ہیں۔قطع نظر اس کے کہ یہ زائد لفظ صحیح ہے یا نہیں۔اگر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ صحیح مسلم کی روایت لاکر پھر اس روایت کو بیان کرتے تو بہت اچھا ہوتا۔امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:یہ زائد لفظ جسے امام ترمذی اور نسائی نے بیان کیا ہے وہ حسن ہے،اور یہ مسلم کی روایت کی تبیین کرتی ہے۔([229])

---

[227] - أنظر: " الموطأ ": 625/2، " المنتقى " للباجي: 247/4، " القوانين الفقهية ": ص 247

[228] - أنظر: ص 30

[229] - المجموع: 313/9

وَالْمُخَاضَرَة: اس سے مراد پھلوں کو اس کے پکنے سے قبل ہی فروخت کر دینا ہے۔ اسماعیلی کی ایک روایت میں ہے: یونس بن القاسم کہتے ہیں: الْمُخَاضَرَة کہتے ہیں: پھلوں کو اس کے کھانے کے قابل ہونے سے قبل فروخت کر دینا۔ اور کھیتی کو اس کے مضبوط ہونے سے قبل ہی اس سے کٹا دینا۔([230])

وَالْمُلَامَسَة: اس کا مطلب ہے مجرد چھونے سے بیع ہو جائے۔ جیسے کسی شخص کا غیر کے کپڑے کو چھو لینا۔ اس لئے کہ مفاعلہ کہتے ہیں فعل میں دو کا شریک ہونا ہے۔ کوئی کہے: اگر آپ میرے کپڑے کو لمس کریں یا میں آپ کے کپڑوں کو کروں تو ادنی تامل کے بغیر ہی بیع منعقد ہو جائے گی۔ یہ تفسیر مسلم([231])۔ اور نسائی([232])۔ میں موجود حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے لی گئی ہے۔

اس کی ایک تفسیر یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ بائع کا اس طرح کہنا: جس کپڑے کو بھی آپ لمس کریں وہ آپ کے لئے ہے۔ یہ تفسیر نسائی میں موجود حدیث ابو سعید الخدری کی موافق ہے۔([233])

اس طرح کی اور بھی تفسیریں ہیں جو کل کی کل یہی معنی رکھتی ہیں کہ اس میں مبیع خریدار کے لئے نامعلوم رہتی ہے۔ لمس سے بیع منعقد ہو جاتی ہے جس میں دھوکہ ہے، شریعت میں منع کیا گیا ہے، البتہ حدیث میں اسی کا ذکر اس لئے ہے کہ زمانہ جاہلیت میں یہ ایک مشہور بیع تھی۔

وَالْمُنَابَذَة: نبذ یعنی پھینکنا ہے، یہ بھی حدیث میں مفاعلہ کے وزن پر بیان کیا گیا ہے جس کا لازمی تقاضا ہے کہ اس میں دو شریک ہوں، اس کا معنی ہے: خرید و فروخت کرنے والے دونوں بھی ایک دوسرے کی طرف کپڑے پھینکیں مگر اپنے صاحب کے کپڑوں کی طرف نہ دیکھیں، صحیح مسلم کی ایک روایت جو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور نسائی میں ابو سعید الخدری سے ہے اس میں یہ تفسیر موجود ہے۔ اس کی ایک تفسیر یہ بھی بیان کی گئی ہے: بائع کا یہ کہنا: میں جو کپڑا بھی آپ کی طرف پھینکوں وہ تمہارے لئے اتنی قیمت میں ہو گا۔

---

[230] - فتح الباري: 404/4

[231] - صحيح مسلم: 1511 (2)

[232] - السنن: 260/7

[233] - سنن النسائي: 261/7

تیسری بات: ان دوحدیثوں میں جاہلیت کی سات قسم کے معاملات بیان کئے گئے ہیں، علمائے حدیث وفقہ یہ بیان کرتے ہیں([234])۔ تو اسلام نے ان سب کو باطل قرار دیا۔ اس لئے کہ ان سب میں واضح طور سے دھوکہ، جہالت اور خطرہ ہے۔ یہ ساری چیزیں نزاع کی طرف کھینچ لاتی ہیں۔

چوتھی بات: حدیث اول محاقلہ کے ممنوع ہونے پر دلیل ہے، محاقلہ یعنی کھیتی کو خوشے میں ہی فروخت کر دیناجو کہ گندم کے کھیت کے بدلے گندم فروخت کرنا ہے۔ منع کرنے کا سبب یہ ہے کہ اس میں دوشرعی رکاوٹیں جمع ہوگئی ہیں، ایک جہالت، دوسرا سود ہے۔ جہالت اس طرح سے کہ دانہ بالیوں میں اس کے اپنے پتوں میں مخفی ہے۔ یہ مجہول ہے اس کی مقدار نامعلوم ہے۔ یہ بھی نہیں معلوم کہ اس میں عمدہ کونسا ہے اور ردی کونسا ہے۔ اور سود اس طرح سے کہ اس میں موجود جہالت اپنے دونوں عوضوں میں سے ایک ربا الفضل ہے۔ اس لئے کہ کسی شیء کا مجہول ہونا اس کے تفاضل کا علم ہونے کے متساوی ہے۔

پانچویں بات: حدیث مبارکہ مزابنہ کی بیع کے ممنوع ہونے پر بھی دلیل ہے، جو کہ معلوم شیء کی اسی جنس کی ایک نامعلوم شیء کے عوض خرید وفروخت ہے۔ جیسے کھجور کے درخت سے کچے کھجور کو سوکھے کھجوروں کے عوض ماپ کر بیچنا، یا انگور کو کشمش کے عوض، یا کھیتی کی ہوئی شیء کو اسی جنس کی مطعومات سے۔ اس میں ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ اس میں دھوکہ ہے، تفاضل ہے اور دونوں بدلوں میں جہالت ہے، اور یہ چیز سود کی طرف لے جاتی ہے۔ ہاں جو سودی اشیاء نہیں ہیں اس میں مقدار کی نوعیت نامعلوم ہونا فساد عقد کا باعث ہے۔

چھٹویں بات: حدیث مبارکہ مخابرہ کے ممنوع ہونے پر دلیل ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ خریدار اور مالک زمین یہ طئے کرلیں کہ ایک حصہ وہ زمیندار کے لئے رہے گا۔ اس میں جہالت اور دھوکہ اور خطرہ ہونے کی وجہ سے حرام ہے۔ یہ توجوا کی قبیل سے ہے، جس کا انجام کسی طور سے نہیں معلوم ہے۔ ہو سکتا ہے یہ حصہ درست ہو جائے اور وہ تلف ہو جائے۔

ہاں اگر مالک کے نام کوئی مخصوص حصہ طے ہو جائے جسے آدھا حصہ اس کا ہو گا تو اس میں جہالت سے ربط نہ ہو گا اس میں دھوکہ بھی نہ ہو گا کیونکہ یہ شرط ہے کہ تلف اور فائدہ میں دونوں شریک ہوں گے۔ اس تعلق مزید کلام ان شاء اللہ کتاب "المساقاۃ" میں ہو گا۔

ساتویں بات: حدیث مبارکہ اس پر بھی دلیل ہے کہ مبیع میں جب تک تعیین نہ ہو کسی حصہ کا مستثنی صحیح نہیں ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ کوئی کہے: اس بکریوں کی ریوڑ سے اتنا فروخت کروں گا سوائے دس کے۔ کیونکہ دس کی تعیین نہیں ہوئی ہے۔ ہاں اگر اوصاف کی تعیین

---

[234] - أنظر: " جامع الترمذي ": 532/3

ہو جائے تو جائز ہے۔عدم تعیین غرر کی قبیل سے ہے،اس لئے کہ اس میں مستثنیٰ مجہول ہے۔اور یہ شیء کسی بکری کے تفاوت سے نزاع پیدا کر دیتی ہے۔

آٹھویں بات: حدیث انس رضی اللہ عنہ مخاضرہ کے ممنوع ہونے پر دلیل ہے،یہ کھیتی اور درختوں پر لگے پھلوں کی بیع ہے،اس میں ممانعت کی وجہ اس میں موجود اشیاء کو نقصان بھی ہو سکتا ہے۔تو شریعت نے منع کیا اور اس وقت فروخت کرنے کی تعلیم دی جب وہ پک جائیں اور کھانے کے قابل ہو جائیں۔جس پر مزید کلام آئے گا ان شاء اللہ۔ہاں اس شرط پر فروخت کرنا کہ جب اس کی کٹائی ہو اسی حال لے لیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔اور اس سے چوپائیوں کا بطور چارہ کا منتفع ہونا بھی درست ہے۔

نویں بات: حدیث مبارکہ لمس اور نبذ کی بیع کے ممنوع ہونے پر بھی دلیل ہے۔اس میں موجود غرر ہونے کی وجہ سے جو کہ جھگڑے کا سبب بنتی ہے۔واللہ تعالی اعلم۔

ABM PrintTime

باہر سے آنے والے قافلے سے ملنا، اور دیہاتی کے مال کو شہری کا بیچنا منع ہے۔

عَنْ طَاوُسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم: لَا تَلَقَّوُا الرُّكْبَانَ، وَلَا يَبِيعُ حَاضِرٌ لِبَادٍ. قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ: مَا قَوْلُهُ: وَلَا يَبِيعُ حَاضِرٌ لِبَادٍ؟ قَالَ: لَا يَكُونُ لَهُ سِمْسَارًا. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ.

طاؤس رحمہ اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تجارت کا سامان لانے والے قافلوں کو آگے جاکر (یعنی شہر سے باہر) نہ ملو اور نہ کوئی شہری کسی دیہاتی کا سامان بیچے۔ طاؤس نے کہا کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس فرمان نبوی: کوئی شہری کسی دیہاتی کا سامان نہ بیچے"۔ کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا: کوئی بھی کسی دیہاتی کا دلال نہ بنے ۔ بخاری، مسلم۔ یہ لفظ بخاری کے ہیں۔

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم: لَا تَلَقَّوُا الْجَلَبَ، فَمَنْ تُلُقِّيَ فَاشْتُرِيَ مِنْهُ، فَإِذَا أَتَى سَيِّدُهُ السُّوقَ فَهُوَ بِالْخِيَارِ. رواه مسلم.

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: باہر سے غلہ لانے والوں کو آگے جاکر نہ ملو، جس سے (بازار پہنچنے سے پہلے ہی) ملاقات کرکے اس کا سامان خرید لیا گیا تو بازار پہنچنے کے بعد مال کے مالک کو اختیار ہے (چاہے سودا قائم رکھے اور چاہے فسخ کردے)۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

ا۔ راوی حدیث کا تعارف:

آپ ابو عبد الرحمن طاوس بن کیسان الخولانی الہمدانی ہیں، یہ نسبت ولاء کی بنیاد پر ہے، آپ کا شمار کبار تابعین میں ہوتا ہے، تفقہ فی الدین، روایت حدیث، سادہ زندگی، خلفاء اور امراء کو وعظ و نصیحت کرنے میں جرات سے کام لینے میں آپ معروف ہیں، چاروں عبادلہ اور دیگر سے آپ نے روایت لی ہیں۔ امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "لازم ابن عباس مدة، وهو معدود في كبراء أصحابه" ابن عباس رضی اللہ عنہما کے سایہء علم میں ایک مدت گذارے ہیں۔ آپ ۳۳ ہجری میں پیدا ہوئے، اور ۱۰۶ ہجری میں دوران حج مزدلفہ یا منی میں آپ کا انتقال ہوا، رحمہ اللہ۔ ([235])

[235] - سير أعلام النبلاء: 38/5، تهذيب التهذيب: 8/5

ABM Print Time

۲۔ دونوں احادیث کی تخریج:

حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح کی کتاب "البیوع" باب "هل بيع حاضر لباد بغير أجر؟"(2158) کے تحت لائے ہیں، اور امام مسلم (1521) از طریق عبد اللہ بن طاوس، وہ اپنے والد سے اور وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔

اور رہی حدیث ابو ہریرہ اس کو امام مسلم نے اپنی صحیح کی کتاب "البیوع"، باب "تحريم تلقي الجلب"(1519)(17) کے تحت از طریق ابن جریج، وہ کہتے ہیں: ہشام القردوسی نے از ابن سیرین ہمیں خبر دی ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا وہ کہتے ہیں۔۔۔۔۔ الحدیث۔

۲۔ غریب الفاظ کی شرح:

لَا تَلَقَّوا: اصل میں لا تتلقوا ہے، جس میں دو "تاء" ہیں، ایک محذوف ہے، جیسے اللہ تعالی کا قول ہے: ﴿نَارًا تَلَظَّى﴾(الأنعام: 57) ۔ یہ بھی اصل میں تتلظى تھا۔ التلقي: کا اصل معنی استقبال کرنا ہے۔ یہاں مراد ہے: جو لوگ سامان لے کر شہر کی طرف آرہے ہوں ان سے خریدنے کے لئے ان کا استقبال نہ کرو، قبل اس کے کہ شہر آجائیں اور قیمت دریافت کر لیں۔

الرُّكْبانَ: کی جمع ہے۔ اصلا اونٹ کے سوار کے لئے استعمال ہوتا ہے، پھر ہر جانور کی سواری کے لئے استعمال ہونے لگا۔ یہاں مراد ہے: وہ مسافر جو شہر کے بازاروں میں سامان بیچنے کے لئے آتے ہیں۔ حدیث میں رکوب یعنی سوار ایک اغلبیت کے طور پر ہے اس کا مفہوم مخالف نہیں لیا جاسکتا ہے۔ اس میں پیدل آنے والے بھی داخل ہیں، اس کی دلیل حدیث کے یہ الفاظ ہیں: «لَا تَلَقَّوا الْجَلَب»۔ اسی طرح اس میں جماعت اور افراد میں بھی کوئی فرق نہیں ہے۔ حدیث میں اغلبیت کا لحاظ رکھا گیا ہے، اس لئے کہ جالب افراد بھی ہو سکتے ہیں۔

ولَا يبيعَ: "البلوغ" میں اسی طرح کا لفظ ہے، جب کہ ثابت ہے وہ صحیح بخاری میں اس طرح ہے: «وَلَا يَبِعْ» جو لاء ناھیہ کی وجہ سے مجزوم ہے۔ اور اصل میں يبيعُ ہے۔ چونکہ جزم کی وجہ سے دو ساکن حرف مل چکے ہیں اس لئے "یاء" کو حذف کر دیا گیا ہے۔ ایک روایت میں وَلَا يبيعُ رفع کے ساتھ، یعنی "لاء" نفی کا ہے۔[236]

حَاضِرٌ لِبَادٍ: حضَر سے اسم فاعل ہے، اس کی جمع حضَّر، حضار، حضور آتی ہے۔ شہروں اور قریوں میں مقیم افراد کے لئے بولا جاتا ہے، جس کی ضد البادي ہے، جو کہ بوادی میں رہنے والوں کے لئے کہا جاتا ہے۔ «لِبَاد» اسم منقوص ہے جس کی "یاء" محذوف ہے۔

[236] - عمدة القارئ: 377/9

البادي سے مراد: سامان کو فی الحال کی قیمت پر فروخت کرنے کے لئے قدوم کرنا۔ چاہے وہ شہری یا دیہاتی، جس طرح سے ایک شہری فروخت کرنے کے لئے دوسرے شہر جاتا ہے۔

سِمْسَاراً: پہلے حرف کو زیر اور دوسرا حرف ساکن ہے۔ سمسر فلان سے اسم فاعل ہے۔ خریدار اور بائع کے درمیان کمیشن لے کر کام کرنے والا۔ اس کا مصدر السمسرة ہے، فارسی لفظ ہے جس کو معرب کر دیا گیا ہے۔ اس کا معنی ہے: بائع اور مشتری کے درمیان کاروباری معاملات([237])۔ کو آسان کرنے کے لئے دلالی کرنا۔ جس کو دلال کہتے ہیں، اس میں وہ کسی کا بھی طرفدار ہو سکتا ہے، بائع کا یا خریدار کا۔

امام بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں: ابن سیرین رحمہ اللہ انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: اس کے لئے نہ کوئی چیز بیچے نہ اس کے لئے کوئی چیز خریدے۔

اَلْجَلَب: تینوں حرفوں کے حرکت کے ساتھ، لغت میں اس کا معنی ہے ہر وہ چیز جو ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف بغرض تجارت لائی جاتی ہے۔ تلقي الجلب سے مراد وہ لوگ ہیں جو سامان لانے والوں کے استقبال کے لئے جاتے ہیں تاکہ ان کے بازار پہنچنے سے قبل ان سے سامان خرید لیں۔ اور تلقي الجلب فقہائے حنفیہ کی تعبیر ہے، جب کہ فقہائے شافعیہ اور حنابلہ تلقي الركبان سے موسوم کرتے ہیں ۔ اور مالکیہ تلقي السلعة کہتے ہیں۔

فَمَنْ تُلُقِّيَ: صحیح مسلم کا لفظ ہے: «فَمَنْ تَلَقَّاهُ فَاشْتَرَى مِنْهُ»

فَإِذَا أَتَى سَيِّدُهُ: یہاں مراد سامان لانے والا ہے۔

فَهُوَ بِالْخِيَارِ: بیع کے انعقاد یا اس کے فسخ کے درمیان اختیار ہے۔

چوتھی بات: حدیث مبارکہ میں اس بات کی ممانعت ہے کہ جو لوگ شہر سے باہر جا کر سامان لانے والوں سے خرید و فروخت کرتے ہیں ، قبل اس کے کہ وہ بازار پہنچ جائیں۔ جمہور کے پاس یہ نھی تحریم کا متقاضی ہے، اس لئے مطلقا نھی تحریم پر دلالت کرتا ہے۔

پانچویں بات: باہر سے آنے والے تاجر سواروں سے ملنے کی ممانعت میں حکمت یہ ہے:

ا۔ سامان کے مالک کے ساتھ رفق کا معاملہ روا رکھا گیا ہے، تاکہ وہ اپنے سامان کی قیمت میں نقصان نہ اٹھانا پڑے۔ اس لئے کہ وہ قیمتوں سے واقف نہیں رہتا ہے۔ ہو سکتا ہے کوئی اس سے سامان خرید لے اور اصل قیمت پر نہ خریدے۔ یہ امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے جس کی تائید حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کرتی ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار بائع کو دئے ہیں اہل بازار کو نہیں۔

---

[237] - أنظر: " النهاية " 400/2

ABM Print Time

۲۔ بازار میں موجود خریداروں سے رفق جو لوگ اللہ تعالی کا فضل اور روزی کی خریداری میں آئے ہوئے ہیں۔ اوران سامان والوں سے باہر جاکر ملنے میں ان حضرات کو نقصان ہو سکتا ہے۔ یہ امام مالک رحمہ اللہ کا قول ہے جس کو حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما کی تائید حاصل ہے۔ اس میں ہے: «.....وَلَا تَلَقَّوْا السِّلَعَ حَتَّى يُهْبَطَ بِهَا إِلَى السُّوقِ»([238])۔ اس میں اس بات کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ اس لئے کہ ہو سکتا ہے اس میں بائع کے لئے کچھ فائدہ ہو۔ اس لئے کہ جب وہ بازار میں اتر جائے تو قیمتوں سے آگاہ ہو جائے گا۔ اوران دونوں اسباب کو اکھٹا کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے جیسے کہ امام شوکانی نے کہا۔([239])

چھٹویں بات: سواروں سے مل کر خرید و فروخت کرنے سے متعلق اہل علم کے دو مختلف قول ہیں:

پہلا قول: یہ بیع مردود ہے، اس لئے کہ شریعت میں اس سے روکا گیا ہے، اور نھی تحریم کا متقاضی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ ترجمہ ءباب میں پورے جزم سے کہا: باب النهي عن تلقي الركبان، وأن بيعه مردود، لأن صاحبه عاص آثم إذا كان به عالما، وهو خداع في البيع، والخداع لا يجوز. ابن قدامہ نے امام احمد»([240])۔ سے ایک قول نقل کیا ہے، اور امام شوکانی نے اس قول کو بعض حنابلہ اور بعض مالکیہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ علامہ صنعانی نے کہا: یہی قرین صحت ہے۔

دوسرا قول: بیع صحیح ہے، اور بائع کو اختیار ہے۔ یہ تینوں ائمہ کا مسلک ہے، حافظ کا رجحان بھی اسی طرح گیا ہے، اور شوکانی نے اسی کو پسند کیا ہے، دو دلیلوں سے انہوں نے استدلال کیا ہے:

پہلی دلیل: مذکورہ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہے، یہ حدیث بیع کے صحیح اور اس کے منعقد ہونے پر دلیل ہے۔ اگر یہ بیع فاسد ہوتی تو اس میں بائع کو اختیار نہ دیا جاتا۔

دوسری دلیل: باب میں مذکور حدیث سے ممانعت کا تعلق اصل بیع یا اس کی شروط سے نہیں ہے، بلکہ اس کا تعلق امر خارجی سے اور وہ قافلے کو نقصان کا پہنچنا ہے، اس سے فساد لازم نہیں آتا ہے۔

اس قول میں –میری رائے– کافی وزن ہے، اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «لَا تَلَقَّوا» آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ خریداری نہ کرو۔ پھر ان سب کے باوجود حدیث میں اختیار ثابت شدہ ہے جو مراد کو واضح کر رہا ہے۔

---

[238] - صحيح البخاري: كتاب البيوع، باب النهي عن تلقي الركبان وأن بيعه مردود. برقم: 2165، وصحيح مسلم: 1517

[239] - نيل الأوطار: 189/5

[240] -

ساتویں بات: بائع کو اختیار دینے کے ساتھ اس میں غبن ہو تو کوئی نزاع نہیں ہونا چاہئے۔ اس کو ابن القیم»([241])۔ رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے۔ رہا اس کا بغیر غبن کے ثابت ہونا جیسے کہ وہ شہر میں جو قیمت ہو اس پر یا اس سے زیادہ پر خریدے، تو اس مسئلے میں امام احمد رحمہ اللہ کے دو قول ہیں:

پہلا قول: یہ ثابت ہے، امام شافعی کا یہی قول ہے، شوکانی»([242])۔ نے اس حدیث «فَإِذَا أَتَى سَيِّدُهُ السُّوقَ فَهُوَ بِالْخِيَارِ» کے ظاہر کی وجہ سے اسی کو اختیار کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار کو مطلق رکھا اس کو مقید نہیں کیا۔

دوسرا قول: اختیار ثابت نہیں ہے۔ شافعیہ اور حنفیہ کا ایک قول یہ بھی ہے۔ معنی کا انتقاء پر نظر رکھتے ہوئے کہا ہے جو کہ دھوکہ اور نقصان ہے۔

لیکن اس قول کے درست ہونے میں ایک یک گونہ درستی ہے کہ اس میں اختیار کی کوئی حاجت ہی نہیں کیونکہ اس میں کوئی غبن ہی نہیں ہے۔ لیکن پہلا قول ہی راجح ہے جو کہ مطلق طور سے اختیار ہے چاہے اس میں غبن ہو کی نہ ہو۔ اس لئے کہ حدیث مطلق ہے، مزید درج ذیل تین امور کی وجہ سے بھی یہی راجح ہے:

۱۔ نزاع کو کلی طور سے ختم کرنا، کیونکہ غبن کے مسئلے میں لوگ مختلف ہیں، کوئی کہتا ہے کہ اس میں غبن ہے اور کوئی اس کی نفی کرتا ہے۔

۲۔ طمانینت قلب کے لئے یہی عمدہ بات ہے۔

۳۔ قافلے سے جا کر ملنے والوں کے خلاف تادیبی کاروائی کہ آئندہ سے ایسا نہ کیا جائے۔

آٹھویں بات: حدیث مبارکہ سے مقیم کا باہر سے آنے والے بوادی سے بیع کرنے کی ممانعت ثابت ہوتی ہے، اس کی شکل یہ ہے کہ کوئی شخص شہر آئے تاکہ کوئی اس سے سامان خریدے لیکن ان مقیم افراد میں سے کوئی ایک ہی اس سے بیع کر لے۔ حدیث مبارکہ کا عموم سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مقیم کے لئے البادی کا پہچان والا ہونا یہ اجنبی ہونا کوئی فرق نہیں ہے۔ اور یہ بھی تفریق نہ ہوگی کہ اس سامان کے اہل بلد محتاج ہیں یا نہیں۔ انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: مقیم کا البادی سے خریدنا ہمیں منع کیا گیا ہے، آنے والا بادی چاہے اس مقیم کا بھائی یا باپ ہی کیوں نہ ہو۔([243])

---

[241] - الطرق الحكمية: ص 251

[242] - نيل الأوطار: 188/5

[243] - أخرجه مسلم: 1523

اس سے بھی منع کئے جانا اس میں حکمت یہ ہے کہ –واللہ اعلم– اس میں اس بات کا خوف ہے کہ اس مقیم کی وجہ سے اہل بلد پر وہ اشیاء خوب بڑی قیمت پر بیچی جائیں گی۔ اس لئے کہ وہ شہر میں طے شدہ قیمت پر فروخت کرے گا۔ جب کہ اگر وہ البادی آجائے تو سستے دام میں فروخت کرے گا، اغلب ایسا ہی ہوتا ہے، جس سے لوگوں میں فراخ آئے گی، قیمت سستی ہوگی، خیر عام ہوگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرف اشارہ فرمایا: «لاَ يَبِعْ حَاضِرٌ لِبَادٍ دَعُوا النَّاسَ يَرْزُقِ اللَّهُ بَعْضَهُمْ مِنْ بَعْضٍ»([244])۔

نویں بات: جو حضرات حاضر کا البادی سے بیع کرنا باطل قرار دیتے ہیں وہ اسی حدیث سے استدلال کرتے ہیں، مالکیہ اور حنابلہ کا مشہور قول یہی ہے، اور یہی قول ظاہریہ کا بھی ہے۔([245])

وجہ الاستدلال: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باہر سے آنے والے قافلے سے مقیم کے خریدنے کو منع فرمایا، اور نھی کا صیغہ جس سے منع کیا جارہا ہے اس کے فاسد کا متقاضی ہے۔

جب کہ حنفیہ، شافعیہ، اور کچھ مالکیہ اس بیع کی صحت کی طرف گئے ہیں۔ امام احمد سے بھی ایک قول منقول ہے([246])۔ ان حضرات نے کہا: حدیث میں نھی یعنی منع بیع کی طرف نہیں کسی اور شیء کی طرف عود کر رہی ہے، وہ ہے اہل بلد کے لئے نقصان کا ہونا۔ اگر منع کسی اور کی طرف عود کر رہا ہے تو عقد کی صحت پر اس کا اثر نہ ہوگا، اور عقد باطل نہ ہوگی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے باہمی حقوق کی جو نشاندہی فرمائے ہیں اس سے استدلال کئے ہیں: «وَإِذَا اسْتَنْصَحَكَ فَانْصَحْ لَهُ»([247])۔ انہوں نے کہا کہ یہ حدیث عام ہے۔ مقیم کا باہر سے آنے والے سے خریداری کرنے کی ممانعت پر یہ حدیث ناسخ ہے۔ اس لئے کہ منع ابتدائے اسلام میں تھا، کیونکہ اس وقت وہ نہایت تنگی میں تھے۔

لیکن یہ استدلال دو سبب کی بنا ضعیف ہے:

۱۔ نسخ کا دعوی محض احتمال سے ثابت نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ دلیل ضروری ہے۔

۲۔ خیر خواہی سے متعلق احادیث گو کہ وہ عام ہیں، لیکن مقیم کا باہر سے آنے والی سے خریداری کرنے کی ممانعت والی احادیث اس کی تخصیص کرتی ہیں۔

---

[244] - صحيح مسلم: كتاب البيوع، باب تحريم بيع الحاضر للبادي. برقم: 1522

[245] - المحلى: 453/8، المغني: 308/6

[246] - " الهداية ": 53/3، " المنتقى ": 104/5، " المهذب ": 292/1

[247] - أخرجه مسلم: 2162 (5)، وعلقه البخاري " فتح الباري ": 370/4، بلفظ: إذا استنصح أحدكم أخاه فلينصح له.

ABM PrintTime

اس اعتبار سے پہلا قول دلیل قوی ہونے کی وجہ سے راجح ہے۔وہ یہ مقیم قافلے سے جا کر نہ خریدے۔بلکہ اس کو اس کی حالت میں چھوڑ دے جو اس کے لئے کافی ہو اس قیمت پر وہ بیچے گا۔غالب یہی ہے کہ وہ اس کی ساری قیمت حاصل نہ کرے گا اس اعتبار سے خریداروں کے لئے فراخی ہو گی، اور دو باتوں سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے:

۱۔اس بیع کی صحت کا قول اگر درست مان لیا جائے تو اس میں اہل بلد کے لئے ان پر تنگی کی وجہ سے نقصان ہے۔

۲۔ مقیم کبھی کبھار باہر سے آنے والے کے حق میں شہر کی قیمت بتلانے سے متعلق سچا واقع نہیں ہوتا ہے، یہ وہ امر ہے جو اس کو نقصان پہنچاتا ہے۔

دسویں بات: حدیث مبارکہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ مصالح عامہ کو مصالح خاصہ پر تقدم حاصل ہے۔شریعت فرد واحد کے مصالح پر روک لگاتا ہے جو کہ قافلے سے ملتا ہے۔کیونکہ اس میں اہل بلد کے لئے اجتماعی فائدہ ہے کہ وہ سب اس سے خریداری کریں اور اس سے براہ راست فائدہ اٹھائیں۔جب کہ شہر میں مقیم کسی بھی فرد کا باہر سے آنے والے فرد سے سودا کرنے میں اسی کا فائدہ ہے۔لیکن اسلام نے اس سے منع فرمایا تاکہ اہل بلد سب کے سب اس سامان کو سستے میں خرید سکیں۔واللہ تعالی اعلم

ABM Print Time

اپنے بھائی کی بیع پر بیع کرنا یا اس کے سودے پر سودا کرنا منع ہے

عَنْ أَبِي هُرِيرَةَ رضِي الله عنه قَالَ: نَهَى رسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم أَنْ يَبيع حَاضر لباد، ولَا تَنَاجشُوا، ولَا يبيع الرَّجل عَلَى بيعِ أَخيه، ولَا يَخْطُب عَلى خِطْبَة أَخيه، ولَا تُسأَلُ الْمرأَةُ طَلَاقَ أُخْتها لِتَكْفَأَ ما في إِنائها. متَّفق عليه. ولمسلم: لَا يسم الْمسلم على سوم الْمسلم.

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہری کو دیہاتی کا سامان فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے اور بیع نجش سے بچو اور کوئی آدمی اپنے بھائی کی بیع پر بیع نہ کرے اور نہ ہی اپنے بھائی کے پیغام نکاح پر پیغام نکاح بھیجے اور کوئی عورت اپنی بہن (یعنی دوسری عورت) کی طلاق کا مطالبہ نہ کرے تا کہ اس کا حصہ بھی خود ہی حاصل کرلے۔ بخاری و مسلم، مسلم میں یہ لفظ ہیں کہ: کوئی مسلمان کسی مسلمان کے سودے پر سودا نہ کرے۔

۱۔ حدیث کی تخریج:

اس حدیث کو امام بخاری نے اپنی صحیح کی کتاب "البیوع" باب "لا يبع على بيع أخيه، ولا يسوم على سوم أخيه حتى يأذن له أو يترك" (2140) کے تحت لائے ہیں، اور امام مسلم (1520) مختصرا از طریق سفیان، از زہری، از سعید بن المسیب، وہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، یہ بخاری کا لفظ ہے۔

اسی طرح امام مسلم (1515)(12) از طریق شعبہ، از عدی- جو کہ ابن ثابت ہیں- از ابو حازم، اور وہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بخاری سے ملتے جلتے الفاظ لائے ہیں۔

اسی طرح آپ (1515)(9) از طریق علاء، وہ اپنے والد سے، اور وہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «لَا يسِمِ الْمُسلِمُ عَلَى سَوْمِ أَخِيه»

۲۔ الفاظ کی شرح:

ولَا يَبِيعَ: آخری حرف پر پیش، اور جزم دونوں طرح مروی ہے، پہلے میں "لام" نفی کا ہے، دوسرے میں "لام" ناھیہ ہے۔

ولَا يَخْطُبُ: خطَب سے مضارع ہے۔ قتَل کے وزن پر ہے، جس کا عین کلمہ مضموم ہے۔ کہا جاتا ہے: خَطَب المرأة يَخْطُبها خطبة مصدر میں "خاء" مجرور ہے۔ لڑکی یا اس کے سر پرست سے رشتہ طلب کرنے والا خاطب کہلاتا ہے۔ خطَب يَخْطُب خطْبة سے ضمہ

کے ساتھ، مصدر میں " خاء" مضموم ہے۔ معنی ہونالوگوں کو وعظ کرنا، یہ فعل ماضی اور مضارع میں متفق ہے، البتہ مصدر میں مختلف ہو جاتے ہیں۔

طَلَاقَ أُخْتِهَا: یعنی اس کی سوکن، چاہے وہ نسبی طور سے بہن ہو، اسلامی یا اہل کتاب میں سے ہو۔

لِتَكْفَأَ: كفأ الإناء. سے مضارع ہے، جب اس کو الٹ کر جو کچھ اس میں ہے اس سے خالی کر دیں۔

لَا يسم: السوم کا اصل معنی ہے، کسی شیء کی خواہش میں حصول کے لئے جانا۔ سام البائع السلعة سوما. یعنی اس کو بیع کے لئے لوگوں کے سامنے رکھا اور اس کی قیمت کا ذکر کیا۔ وسام المشتري المبيع واستامه سوما. اس کی خریداری کی قیمت طلب کرنا جس پر بیع متقرر ہوئی تھی۔ دو اشیاء کے درمیان تساوم کا مطلب ہے: بائع کا اپنا سامان کسی بھی قیمت پر پیش کرنا، اور اس خریدار اس سے ہٹ کر کچھ اور قیمت طلب کرنا ہے۔

تیسری بات: حدیث مبارکہ اس امر کے ممنوع ہونے پر دلیل ہے کہ کوئی بھائی اپنے بھائی کی بیع پر بیع نہ کرے۔ جیسے بائع کا اس خریدار سے کہنا جو سامان کو دس میں خرید رہا ہوتا ہے، کہ میں تم کو یہ نو(۹) میں دوں گا، یا اس سے بہتر چیز اسی قیمت میں دوں گا۔ یا اس کو ایک لمبی مدت تک اسی طرح ورغلاتا رہے۔ اغلب یہ ہے کہ اس کا کہنا عقد کے اتمام سے پہلے ہے۔ جیسے کہ وہ دونوں مجلس ہی میں ہوں یا عقد کر رہے ہوں جس میں خیار شرط ہو گا۔

اسی طرح بھائی کی بیع پر بیع کرنا حرام ہے۔ اس لئے کہ یہ شرعاً ممنوع ہے۔ اس لئے کہ خریدنا پر بیع کا لفظ بھی آتا ہے جس سے ممانعت میں یہ بھی داخل ہو جاتی ہے۔ جیسے کوئی بائع سے کہے جو سامان کو نو(۹) میں بیچ رہا ہوتا ہے کہ میں نے اس سامان کو تم سے دس(۱۰) میں خریدا ہے۔

بھائی کی بیع پر بیع کرنے سے روکنے میں حکمت یہ ہے کہ اس سے مسلمانوں کے مابین عداوت، بغض اور دوریاں پیدا ہوتی ہیں، جس سے وہ اپنے بھائی پر ظلم کرتا ہے۔ اور معاملہ کو فساد کی طرف لے جاتا ہے۔

حدیث کا ظاہر یہی ہے کہ بھائی کی بیع پر بیع کرنا مطلقاً حرام ہے۔ وہ اختیار کی کوئی بھی قسم کیوں نہ ہو، چاہے خیار مجلس ہو کہ خیار شرط ہو۔ یا وہ مدت پوری ہو جانے کے بعد ہو۔ حدیث کا عموم یہی ہے۔ اس لئے کہ اگر مدت ختم ہو جانے کے بعد وہ اپنے مسلم بھائی کی بیع پر بیع کرتا ہو تو خریدار کسی بھی پہلو سے حیلہ سازی کر سکتا ہے، جیسے اس میں کسی عیب کا دعوی کر دے یا اس طرح کی کوئی اور چیز جس سے بیع فسخ ہو جائے۔ اس سے پہلے بائع سے عداوت اور بغض پیدا ہو گا اور خریدار یہ دعوی کرے گا کہ اس نے اس کو دھوکہ دیا ہے۔

ABM PrintTime

دوسرا قول: ممانعت کا اصل محل دونوں اختیاری صورتوں کی مدت ہے۔ اس لئے کہ بھائی کی بیع پر بیع میں اغلب یہی ہے۔ اگر مدت پوری ہو جائے تو بیع جائز ہے۔ اس کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے اس میں بیع مکمل ہو چکی ہے۔ اب اس کی بیع پر بیع یا خریداری پر خریداری یا اس کا عدم دونوں برابر ہیں۔ پہلا قول ہی درست ہے جس میں ممانعت کی حکمت بھی بیان کی گئی ہے۔

چوتھی بات: حدیث مبارکہ سے بھائی کے خطبہ پر خطبہ کرنے کی ممانعت بھی ثابت ہوتی ہے۔ اس طرح سے کہ کوئی شخص کسی عورت سے پیغام نکاح بھیجا ہو تو اسی عورت کو اب اپنی طرف سے پیغام نکاح بھیجے۔ اس میں بھی ممانعت کی وجہ آپسی عداوت اور جھگڑے ہیں۔ اور چونکہ ایک نے تقدم کیا تو اس پر یہ تصرف کی وجہ سے اس پر ظلم اور عدوان ہے۔ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «الْمُؤْمِنُ أَخُو الْمُؤْمِنِ فَلَا يَحِلُّ لِلْمُؤْمِنِ أَنْ يَبْتَاعَ عَلَى بَيْعِ أَخِيهِ وَلَا يَخْطُبَ عَلَى خِطْبَةِ أَخِيهِ حَتَّى يَذَرَ»([248])۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث سے بھی یہ بات مترشح ہوتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا: «أَنْ يَبِيعَ بَعْضُكُمْ عَلَى بَيْعِ بَعْضٍ وَلَا يَخْطُبُ الرَّجُلُ عَلَى خِطْبَةِ أَخِيهِ حَتَّى يَتْرُكَ الْخَاطِبُ قَبْلَهُ أَوْ يَأْذَنَ لَهُ الْخَاطِبُ»([249])۔ اس حدیث پر مزید کلام ان شاء اللہ کتاب "النکاح" میں آئے گا۔

پانچویں بات: حدیث مبارکہ میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ کوئی عورت اپنے شوہر سے اس کی سوکن کی طلاق کا مطالبہ نہ کرے۔ امام نووی رحمہ اللہ نے اس کی تفسیریوں بیان کی ہیں کہ کوئی اجنبی عورت کسی مرد سے یہ کہے وہ اپنی بیوی کو طلاق دے اور اس کی جگہ میں اس سے شادی کر لے۔ اس حیثیت سے کہ اس کے لئے شوہر کے نفقہ، حسن معاشرت اور مزید بہتری کی ساری چیزیں اس کے لئے ہو جو ایک مطلقہ کے لئے ہوتی ہیں۔ گویا اس میں برتن میں موجود اشیاء کا اکفاء ہونے کو مجازی معنی لیا گیا ہے۔([250])

چھٹویں بات: حدیث مبارکہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بھائی اپنے بھائی پر سوم نہ کرے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ: بائع اور مشتری بیع پر متفق ہو جائیں، لیکن عقد نہ کئے ہوں۔ اچانک ایک انسان آتا ہے اور بائع سے کہے کہ اس سامان کو واپس لے لو میں اس سے بڑھ کر قیمت دوں گا۔ یا مشتری سے کہے کہ تم اس سامان کو لوٹا دو اس سے بہتر سامان اسی قیمت پر خرید کر دوں گا، یا اسی جیسا سامان سستے دام میں دلاوں گا۔

---

[248] - صحيح مسلم: كتاب النكاح، باب تحريم الخطبة على خطبة أخيه حتى يأذن أو يترك. برقم: 1414

[249] - صحيح بخاري: 5142، وصحيح مسلم: 1412

[250] - شرح النووي على مسلم: 204/9

بیع پر بیع اور سوم پر سوم میں فرق یہ ہے کہ پہلی میں عقد مکمل ہو جاتا ہے بس اس میں اختیار باقی رہتا ہے، خیار شرط یا خیار مجلس۔ سوم اس وقت ہے جب بیع پر مکمل طور سے اتفاق ہو اور عقد سے قبل میں ہو۔

شرعاً سوم اسی وقت میں حرام ہے جب سامان کی قیمت میں ازدیاد کی کوئی گنجائش نہ ہو اور قیمت پر دونوں یعنی بائع اور خریدار راضی ہو گئے ہوں۔ ہاں اگر ازدیاد کی گنجائش ہو تو باتفاق اہل علم اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس لئے کہ بائع ازدیاد کا مطالبہ کرتا ہی ہے کیونکہ اس طرف کسی کا میلان نہیں ہوا ہوتا ہے۔

بیع میں مزایدہ کا مطلب یہ ہے کہ بائع بازار میں سامان رکھتا ہے، اور خریدار حضرات قیمت بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں، جو قیمت زیادہ ادا کرے گا بائع اسی کو فروخت کرے گا۔ بیع المزاد العلني سے یہی معروف ہے۔([251])

اس طرح مزایدہ اور سوم کی بیع میں فرق یہ ہے کہ مزایدہ کی بیع میں صرف ایک خریدار ہوتا ہے اس میں کسی دوسرے کو اس کی طرف کھنچاو مقصود نہیں ہوتا ہے، اس کی علامت یہ ہے کہ سامان پر ند الگانے والا حاضرین میں موجود لوگوں کو ازدیاد کی طلب پر روک نہیں لگاتا ہے۔ جب کہ سوم ازدیاد کسی تیسرے کی طرف سے حاصل ہوتا ہے، یہ سب سامان کی خریداری میں رغبت رکھنے والے کو روک رکھنے کے بعد ہوتا ہے۔

جمہور اہل علم مزایدہ کی بیع کو اگر اس میں حیلہ سازی، التباس، دھوکہ نہ ہو تو جائز سمجھتے ہیں، ابن قدامہ رحمہ اللہ نے اس کے جواز کو بتلانے کے بعد سنت سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں: اس مسئلہ پر بھی اہل اسلام کا اجماع ہے، جو اپنے بازاروں میں مزایدہ کی بیع کرتے ہیں([252])۔ واللہ تعالی اعلم

---

[251] - نجد اور دیگر علاقوں میں "حراج" کے نام سے یہ بیع جانی جاتی ہے۔

[252] - المغني: 307/6

خرید وفروخت میں اقارب کے درمیان تفریق کی ممانعت کا بیان

عَن أَبِي أَيُّوب الْأَنْصَارِي رضي الله عنه قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اَللَّهِ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ: مَن فَرَّقَ بَيْنَ وَالِدَة وَوَلَدِهَا، فَرَّقَ اَللَّهُ بَيْنَه وَبَيْنَ أَحِبَّتِه يَوْمَ اَلْقِيَامَة. رَوَاهُ أَحْمَد، وَصَحَّحَهُ اَلتِّرْمِذِيُّ، وَالْحَاكِم، وَلَكِنْ فِي إِسْنَادِهِ مَقَالٌ. وَلَه شَاهِد.

ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس نے ماں اور اس کے بچے کے درمیان جدائی ڈالی اللہ تعالی روز قیامت اس کے اور اس کے اعزاء و اقارب کے درمیان جدائی ڈال دیں گے۔ اسے احمد نے روایت کیا ہے اور ترمذی اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے، لیکن اس کی سند میں مقال ہے اور اس کا شاہد بھی موجود ہے۔

عَنْ عَلِيِّ بْن أَبِي طَالِب رضي الله عنه قَالَ: أَمَرَنِي رَسُولُ اَللَّهِ صلى الله عليه وسلم أَنْ أَبِيعَ غُلَامَيْنِ أَخَوَيْنِ، فَبِعْتُهُمَا، فَفَرَّقْتُ بَيْنَهُمَا، فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ: أَدْرِكْهُمَا، فَارْتَجِعْهُمَا، وَلَا تَبِعْهُمَا إِلَّا جَمِيعًا. رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ، وَقَدْ صَحَّحَهُ اِبْنُ خُزَيْمَةَ، وَابْنُ اَلْجَارُود، وَابْنُ حِبَّانَ، وَالْحَاكِمُ، وَالطَّبَرَانِيُّ، وَابْن اَلْقَطَّان.

علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں دو غلام بھائیوں کو فروخت کر دوں، میں نے ان دونوں کو الگ الگ آدمیوں کے ہاتھ فروخت کر دیا، اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان دونوں کو جا کر واپس لاؤ اور دونوں کو اکٹھا فروخت کرو۔ اسے احمد نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں اور ابن خزیمہ، ابن جارود، ابن حبان، حاکم، طبرانی اور ابن القطان نے اسے صحیح کہا ہے۔

ا۔ حدیث کی تخریج:

مذکورہ پہلی حدیث کو امام احمد (485/38)، ترمذی کتاب "البيوع" ([253])۔ باب "ما جاء في كراهية أن يفرق بين الأخوين أو بين الوالدة وولدها في البيع" (1283) کے تحت، اور حاکم (55/2) نے از طریق حیی بن عبد اللہ المعافری، از ابو عبد الرحمن الحبلی، از ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ مرفوعا لائے ہیں۔

[253] - وأخرجه أيضا في أبواب " السير " (1566)، بمتنه وإسناده.

سند کے سارے رجال ثقہ ہیں، سوائے حیی المعافری کے جن کے بارتے میں اختلاف ہے۔ اکثر توان کی تضعیف کئے ہیں، اسی لئے حافظ نے اس سند سے متعلق کہا: ولكن في إسناده مقال۔ امام ترمذی نے اس کو حسن کہاہے، یہی قول آپ سے امام مزی نے نقل کیاہے([254])، البتہ حافظ کا یہ کہنا: صححه الترمذي، یہ امام ترمذی کی "الجامع "میں مجھے نہیں ملاہے۔ جب کہ حافظ نے خود "التلخيص "میں کہا: ...والترمذي حسنه([255])۔ بلکہ ابن القطان نے جب امام ترمذی کی تحسین نقل کرکے کہا: وإنما لم يصححه؛ لأنه من رواية ابن وهب، عن حيي بن عبد الله.... یعنی ان کا صحیح نہ کہنا اس لئے ہے کہ یہ روایت بطریق عبد اللہ بن وھب، از حیی بن عبد اللہ ہے۔ امام بخاری نے کہا:فيه نظر، امام احمد نے کہا: أحاديثه مناكير، یحیی بن معین نے کہا: ليس به بأس، بہر حال ان کے متعلق اختلاف ہونے کی وجہ سے اس سند کی تصحیح نہیں کی گئی ہے۔([256])

البتہ امام حاکم کا یہ کہنا:هذا حديث صحيح على شرط مسلم، ولم يخرجاه محل نظر ہے، اس لئے کہ حیی بن عبد اللہ سے امام مسلم نے کچھ بھی روایت نہیں کیاہے۔([257])

مذکورہ روایت کے لئے–بقول حافظ ابن حجر– حدیث عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ ایک شاہد بھی ہے، آپ کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماں اور اس کے لڑکے کے درمیان جدائی ڈالنے سے منع فرمایاہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: کب تک؟ آپ نے فرمایا: «حَتَّى يَبْلُغَ الْغُلَامُ وَتَحِيضَ الْجَارِيَةُ» جب تک کہ غلام محتلم اور لونڈی حائضہ نہ ہوجائے۔([258])

باب مذکور کی دوسری حدیث، یعنی حدیث علی رضی اللہ عنہ تو اس کو امام احمد (155/2) نے بطریق سعید بن ابو عروبہ، از حکم بن عتیبہ، از عبد الرحمن بن ابو لیلی، از علی رضی اللہ عنہ لائے ہیں۔

اس سند کے سارے رجال–بقول حافظ ابن حجر– ثقہ ہیں، البتہ یہ روایت منقطع ہے۔ اس لئے کہ سعید بن ابو عروبہ کا حکم بن عتیبہ سے کچھ بھی سماع ثابت نہیں ہے۔ جیسا کہ احمد، ابو حاتم، البزار، نسائی، اور دار قطنی وغیرہ نے کہاہے۔([259])۔

---

[254] - تحفة الأشراف: 93/3

[255] - 18/3

[256] - بيان الوهم والإيهام: 521/3

[257] - " المحرر ": 548/2، " نصب الراية ": 23/4- 24

[258] - أخرجه الدارقطني: 68/3، والحاكم: 55/2، وفيه عبد الله بن عمرو بن حسان الواقفي، قال عنه الدارقطني: ضعيف الحديث، رماه علي بن المديني بالكذب. وقد صححه الحاكم، لكن تعقبه الذهبي بقوله: موضوع، وابن حسان كذاب.

[259] - " العلل " للدارقطني (273/3)، " جامع التحصيل ": ص 221- 222

ABM PrintTime

اس روایت کا منقطع ہونا یوں بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس روایت کو امام احمد (2/308- 309) اور بیھقی (9/127) نے بطریق سعید بن ابو عروبہ، اور وہ کسی ایک شخص سے، اور یہ حکم بن عتیبہ سے روایت کرتے ہیں۔

ابن الجارود (575) نے اس روایت کو زید بن ابو انیسہ، حکم بن عتیبہ کی طریق سے لائے ہیں۔

اس روایت کے حکم بن عتیبہ سے اور بھی طرق ہیں، انہیں طرق میں سے ایک شعبہ کا آپ سے روایت کرنا بھی ہے، جسے دار قطنی (3/ 65- 66)، حاکم (2/54)، بیھقی (9/127) نے روایت کیا ہے۔ اور حاکم نے کہا: هذا حديث غريب، صحيح على شرط الشيخين، اس روایت سے متعلق ذہبی نے سکوت فرمایا ہے۔

البتہ امام دار قطنی کی رائے میں شعبہ والی روایت غیر محفوظ ہے، جب کہ سعید بن ابو عروبہ، از حکم بن عتیبہ[260]۔ یہ محفوظ ہے جس کا ذکر ہو چکا ہے، اور یہی مسند احمد کی روایت ہے۔

امام بیھقی نے کہا: حدیث الباب- جو کہ احمد کی روایت ہے- قرین صحت ہے، اس لئے کہ کل اصحاب شعبہ بن الحجاج، اس روایت میں آپ کا ذکر نہیں کرتے ہیں، اسی طرح کل اصحاب سعید روایت پیش کرنے میں از رجل، از حکم ہی روایت کئے ہیں، جو کہ مصیب ہے۔ آپ نے یہ بھی کہا: اس روایت کو بطریق شعبہ از حکم بھی بیان کیا گیا ہے جو کہ وہم ہے۔

اور جب ابن القطان نے امام دار قطنی کا کلام نقل کیا تو آپ نے کہا: مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ روایت شعبہ صحیح ہے اس میں کوئی عیب نہیں ہے، بلکہ اس باب میں سب سے زیادہ قابل اعتماد روایت یہی ہے۔[261]

شاید حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی یہی مراد تھی جب انہوں نے کہا: وصححه ابن القطان. لیکن ابن القطان کا یہ قول امام دار قطنی اور بیھقی کے قول کے پیش نظر کچھ حیثیت نہیں رکھتا ہے۔

حکم بن عتیبہ سے روایت کرنے میں بھی اختلاف کیا گیا ہے، کچھ رواۃ حکم بن عتیبہ کی روایت کو میمون بن ابو شبیب سے، اور وہ علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کی طریق سے بیان کئے ہیں۔ اس روایت کو ابو داود (2696)، ترمذی (1284)، ابن ماجہ (2249)، اور احمد (2/ 181) نے روایت کیا ہے۔ اس روایت کو ابو حاتم نے راجح قرار دیا ہے۔

---

[260] - أنظر: " العلل ": 272/3

[261] - " بيان الوهم والإيهام ": 5/ 396

اور کچھ رواۃ حکم بن عتیبہ، از عبد الرحمن بن ابو لیلی، سے روایت کئے ہیں، جیسے کہ گذر چکا ہے۔ امام دار قطنی کی رائے میں حکم بن عتیبہ ان سبھوں سے سنا ہے، اس طرح کبھی ان سے روایت کرتے ہیں، اور کبھی ان سے، واللہ اعلم۔([262])

اگر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ام ولد کی بیع سے متعلق ان دونوں حدیثوں کو مذکورہ حدیث ابن عمر سے ضم کر دیتے تو بہت اچھا ہوتا۔

دوسری بات: حدیث ابو ایوب میں بیع کرتے ہوئے ماں اور اس کے بچے کے درمیان تفریق کی ممانعت بیان کی گئی ہے۔ ہبہ، اور قسامت اور اس طرح کے دیگر امور میں بھی یہی حکم ہے۔ یہ اسیروں کے مابین جدائی نہیں ڈالی جائے گی، بلکہ ایک ساتھ بیچا جائے گا یا پھر انہیں ایک ساتھ برقرار رکھا جائے گا۔ یہ دراصل ان کے مابین تعاطف اور رشتہ داری کو باقی رکھنے کے سبب ہے۔ حدیث الباب میں تفریق کی وجہ سے سخت وعید سنائی گئی ہے، جو کہ حرمت پر دلالت کرتی ہے۔ اس میں بیع یا دیگر امور میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اس لئے کہ حدیث عام ہے اس میں کسی خاص امر کی تخصیص نہیں کی گئی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول «من فَرَّقَ» میں عموم ہے۔

حدیث کے ظاہر سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس تفریق کی ممانعت میں یہ بھی عام ہے کہ تفریق بلوغت سے قبل بھی ممنوع ہے اور بعد بھی۔ اگر اوپر بیان کی گئی حدیث عبادۃ صحیح ہو تو حدیث ابو ایوب رضی اللہ عنہ کے اطلاق کو مقید کر سکتی ہے، یوں ممانعت قبل از بلوغ کو مختص ہوتی، امام احمد سے ایک قول یہ بھی منقول ہے۔

دوسرا قول: بلوغت کے بعد تفریق ہو تو جائز ہے۔ امام احمد سے یہی قول بصحت منقول ہوا ہے، امام شافعی سے بھی یہی منقول ہے، اس تعلق سے ایک روایت میں ہے کہ سلمہ بن الاکوع نے صدیق اکبر کے پاس ایک عورت اور اس کی بیٹی لے آئے، تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے انہیں اس خاتون کی بیٹی بطور ازدیاد سونپ دیا۔۔۔۔ الحدیث۔([263])۔

امام نووی رحمہ اللہ نے کہا: اس حدیث سے ماں اور اس کے بالغ بیٹے کے درمیان جدائی کا جواز معلوم ہوتا ہے، اور ہمارے نزدیک اس کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔۔۔۔([264])۔

اس لئے کہ لڑکا بلوغت کے بعد اپنی مستقل حیثیت رکھتا ہے، آزاد اشخاص کے مابین اصل تفریق ہے، اس لئے کہ عورت اپنی بیٹی کی شادی کر دیتی ہے۔ آزاد عورت اور اس کے لڑکے کے درمیان اس وقت جدائی طے پاتی ہے جب ابوین میں افتراق ہو جائے۔([265])۔

---

[262] - " علل ابن أبي حاتم ": 1154، " علل الدارقطني ": 272/3

[263] - أخرجه مسلم: 1755

[264] - شرح صحيح مسلم: 312/11

[265] - المغني: 372/6

تیسری بات: حدیث علی رضی اللہ عنہ سے دوبھائیوں کے درمیان تفریق کی حرمت معلوم ہوتی ہے، اوراگر تفریق پر معاہدہ قائم ہو جائے تب بھی وہ درست نہ ہو گا، بلکہ اس کا ختم کرنا واجب ہو گا، اس طرح یہ حدیث بیع میں تفریق پر حرمت کی دلیل ہے، لیکن علماء نے اس تفریق کے حرام ہونے کو بعض دیگر امور سے ملحق رکھا ہے، جیسے ہبہ کا امر ہے، واللہ تعالی اعلم۔

ABM PrintTime